دنیا کی موجودہ کساد بازاری
کے اسباب

پروفیسر محمد حبیب الرحمان

ایم - اے - (علیگ)

الہ آباد

ہندستانی اکیڈیمی - یو - پی

۱۹۳۴

دنیا کی موجودہ کساد بازاری کے اسباب

پروفیسر محمد حبیب الرحمان

ایم اے - (علیگ)

الہ آباد

ہندستانی اکیڈیمی - یو - پی

۱۹۳۴

”دنیا کی موجودہ کساد بازاری کے اسباب“

(۱)

آج سے کم و بیش ایک صدی قبل بنی نوع انسان کی مادی
خوشحالی میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ تصور کی جاتی تھی، وہ
اضافۂ آبادی کا رجحان تھا - خاص کر مالتھس نے جس شکل میں
نظریۂ آبادی کو پیش کیا، وہ بالعموم حوصلہ مند افراد کے لئے بہت ہی
مایوس کُن تھی - خیال یہ تھا کہ انسان جد و جہد کر کے جس قدر
زیادہ دولت پیدا کرتے ہیں اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ سرعت کے
ساتھ اُن کی تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے - اور اِس وجہ سے اُن کی
معاشی حالت میں کوئی مستقل بہتری اور اُن کے معیار زندگی میں
کوئی دیرپا بلندی حاصل نہیں ہو سکتی - ظاہر ہے کہ جب ہماری
ترقی ہی میں ہماری تنزل کے اسباب مضمر ہوں تو بڑے سے بڑے
سورماؤں کا بھی ہمت ہار جانا حق بجانب ہے - لیکن خوش قسمتی
سے یہ مالتھس کا ایجاد کردہ ہوّا اصلیت سے بہت دور اور محض
ایک وہمی تخیل ثابت ہوا - اب ہم یہ جانتے ہیں کہ گو آبادی میں
اِضافہ ہوتا ہے تاہم یہ ضروری نہیں کہ وہ اُسی رفتار سے ہو جو مالتھس
نے فرض کی تھی - یہی نہیں بلکہ موجودہ زمانے میں ایسے ممالک
کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جہاں آبادی ایک خاص
حد تک پہونچ کر رک گئی ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ آئندہ اس
میں اضافہ کے بجائے تخفیف ہونے لگے - اس کے علاوہ گذشتہ سو ڈیڑھ سو
سال کے اندر انسان کو قدرتی وسائل پر جو غیر معمولی تصرف حاصل
ہوا ہے اور پیدائش دولت کے لئے طریقے ایجاد کرنے میں اُس نے جو

غیر معمولی ترقی کی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے مستقبل سے اِس قدر مایوس ہوں - چنانچہ اُن امور کا خیال کر کے بعض ذی فہم لوگوں نے مالتھس کے ثبوت سے خوف زدہ ہونے کے بجائے اُسے شبہے میں اُتارنے کی کوشش کی، اور حسن اتفاق سے اِس غرض کے لئے ایک موثر عمل بھی اُن کے ہاتھ لگ گیا - فرانسیسی زبان کے دو لفظ یعنی Laissez Faire (آزادہ روی) امیر ثروت کو شعبے میں بند رکھنے کے لئے کم از کم خیال یکسا بہت کارگر ثابت ہوئے رہے - عملی نقطۂ نظر سے اِس تدبیر کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر ملک کی حکومت اپنے باشندوں کی کاروباری زندگی سے جہاں تک ممکن ہو علیحدہ رہے - جان و مال کی حفاظت کے لئے ضروری قوانین نافذ کرے اور کاروبار کی سہولت کے لئے بعض عام تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ حکومت ملک کے مختلف طبقوں کی معاشی جد و جہد میں قطعاً دخیل نہ ہو بلکہ باشندوں کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دے اور ہر شخص کو اِس بات کی کامل آزادی دے رکھے کہ وہ اپنے ذاتی نفع کے لئے جو کام جس طور پر کرنا چاہے کرے - خیال یہ تھا کہ صرف اِسی طرز عمل کی بدولت ملک کے عام مفاد میں زیادہ سے زیادہ ترقی ہوسکتی ہے اور باشندگان ملک کی مادی خوشحالی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ حاصل کیا جاسکتا ہے - بظاہر تو یہ نظر آتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے ذاتی نفع کے پیچھے پڑا ہوا ہے ؛ لیکن بحیثیت مجموعی ملک کے عام مفاد کو بڑھانے کا بھی دراصل یہی کارگر طریقہ ہے - بالفاظ دیگر کوئی شخص کسب معاش کا کوئی ایسا راستہ اختیار نہیں کرسکتا جس کی بدولت دوسرے اشخاص کو کچھ نہ کچھ بالواسطہ فائدہ نہ پہونچے - گویا اِس طور پر محنت و مشقت کا سب سے بڑا محرک یعنی ذاتی نفع کی خواہش ؛ مفاد عامہ کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ بن جاتی

ہے ایسے نظام معیشت کے تحت یہ ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ
کسی ایک مرکز سے تمام افراد کی جدوجہد پر نگاہ رکھی جائے اور
حتی الوسع اُسے قابو میں رکھا جائے - جب ہر فرد اپنے محدود دائرۂ
عمل کے اندر ذاتی نفع کی راہ پر چل کر غیر محسوس مگر قطعی طور
پر مفاد عامہ کو آگے بڑھاتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ کوئی با اقتدار
ادارہ ایک مرکز سے تمام ملک کی پیدایش و تقسیم دولت کا انتظام کرے ،
خاص کر ایسی حالت میں جب کہ ایسے اجتماعی انتظام سے یہ
اندیشہ لگا ہوا ہو کہ اُس کی بدولت انفرادی جدو جہد کا عالمگیر اصول
اور زبردست محرک ، کمزور ہوجائیگا -

اُنیسویں صدی کے اکثر و بیشتر حصہ میں انفرادیت کے اس
طریقے نے بلا شبہ بڑی شاندار کامیابیاں حاصل کیں - سائنس کی
حیرتناک ترقی ، نئی نئی ایجادوں کا لامتناہی سلسلہ ، قدرت پر
انسان کا روز افزوں تصرف ، مادی تہذیب کی وہ عظیم الشان عمارت
جس کے اندر ہزاروں انسان راحت و آرام کے ایسے ذرائع سے بہرہ ور ہیں
جو زمانۂ سابقہ میں امراء اور بادشاہوں کو نصیب نہیں تھے یہ تمام
ترقیاں انسان کو اسی خود بخود چلنے والے ، آزاد ، انفرادی غیر مرکزی
اور بے ترتیب نظام معیشت کے تحت حاصل ہوئیں -

لیکن جبتک اس طریقے کی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا
اور اس کی ناقابل انکار کامیابیاں نظروں کے سامنے آتی رہیں اُسوقت
تک کسی کی یہ ہمت نہ ہوسکتی تھی کہ اُسکے نقص پر کسی قسم کا
کوئی اعتراض یا اسکی صحت اور خوبی کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی
چون و چرا کرسکے - نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکے بنیادی نقائص ایک مدت
تک نظروں سے پوشیدہ رہے اور کسی کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی

محسوس نہ ہوتی کہ آیا اس طریق معیشت کی یہ صفت کہ وہ بغیر
کسی مرکزی ترتیب اور اجرا کے خود بخود ٹھیک اور مناسب طور پر
چلتا رہتا ہے ، اسکی ذات کے ساتھہ وابستہ ہے یا یہ کہ یہ محض چند
انسانی ، غیر مستقل اور عارضی حالات کا نتیجہ ہے -

واضح رہے کہ طریق انفرادیت کے عین عروج کے زمانے میں بھی
دور رس نگاہیں اسکے بنیادی مفروضات کی بے حقیقتی اور اسکی کامیابی
کے شرائط کے عارضی وجود کو پہچان چکی تھیں ، لیکن اسکی کامیابیاں
بہ مقابل اسکے نقائص کے اسقدر کثیر اور ایسی بدیہی تھیں کہ عام
نگاہیں نہ خود ان نقائص کو دیکھہ سکتی تھیں اور نہ دوسرے دیکھنے
والوں کے اقوال پر کان دھرنے کیلئے تیار تھیں - ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ ابتدائی زمانے سے ہی حالات کی بتدریج تبدیلی کے ساتھہ ساتھہ
ذاتی منافعہ اور مفاد عامہ کی یکسانیت کا مفروضہ جو کہ اس آزاد
طریق معیشت کا سنگ بنیاد ہے ، وقتاً فوقتاً مشتبہ نظر آنے لگا تھا -
لیکن جب کبھی کسی آزاد خیال اور منچلے مفکر نے اس مقبول
عام مسلک کی اصلیت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی ،
اُسے یہ کہکر خاموش کردیا گیا کہ یہ محض چند مستثنیات ہیں
جو اصلی نظریے کو کمزور کرنے کے بجائے اسکی صحت و صداقت کا مزید
ثبوت ہیں - توضیح کیلئے ہم دو تین مثالوں پر غور کریں گے - جب
صنعتی انقلاب کی بدولت پیدائش دولت کے جدید طریقوں کا آغاز ہوا
اور چھوٹے چھوٹے کاریگر اپنا اپنا کاروبار بند کرکے بڑے بڑے کارخانوں
میں بحیثیت مزدوروں کے اُجرتوں پر کام کرنے لگے تو طریق انفرادیت
کے مطابق افراد کو ان کی کاروباری زندگی میں آزاد چھوڑ دینے اور ذاتی
نفع کی رہنمائی میں اپنا ذریعۂ معاش منتخب کرنے کی اجازت

دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کے کارخانوں میں کمسن بچوں اور
اُن کے محتاج ماں باپ پر وہ افتاد پڑی کہ حکومت کو بہت جلد
مزدوروں اور اجیروں کے باہمی معاملات میں قوانین کارخانہ جات کے
ذریعہ سے روز افزوں دخل دینے کی ضرورت محسوس ہوئی - اسکے علاوہ
جب مزدوروں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اُن کا افلاس اور انتشار اُن
کو اپنی محنت کے ثمرات سے کما حقہ' مستفید نہیں ہونے دیتا بلکہ
اُن کی پیدا کی ہوئی دولت کا اکثر و بیشتر حصہ روز افزوں منافعہ کی
شکل میں فریق ثانی کے قبضے میں چلا جاتا ہے تو انہوں نے اپنی
کمزوریوں کے اسباب کو دور کرنے کی کوششیں کیں اور مزدور سبھائیں قائم
کر کے اس مقصد میں ایسی عظیم‌الشان کامیابی حاصل کی کہ اب نہ
آزاد مسابقت ہی قائم رہی اور نہ افراد کیلئے ' ذاتی منافعہ کی رہنمائی
میں اپنے اپنے حسب منشاء کام کرنے کا امکان باقی رہا - یہی نہیں
بلکہ زمانے کی ترقی اور نئے حالات کی پیدائش کے ساتھہ ساتھہ
حکومت اپنی رعایا کی کاروباری زندگی میں براہ راست اور روز افزوں
دخل دینے پر مجبور ہوتی گئی اور برابر ہوتی جارہی ہے - چنانچہ تمام
ترقی یافتہ ممالک میں مفت تعلیم ' مفلسوں کی پرورش ' اور بیکاروں کی
امداد ' ضعیفوں کی دیکھہ بھال اور اسی قسم کے گوناگوں کام حکومت کے سپرد
ہیں جن کی سربراہی وہ اپنے عام محاصل سے بالکل اُسی طریقے پر کرتی
ہے جس طریقے پر کہ وہ ملک کی مدافعت کے لئے فوجیں اور اندرونی
امن و امان کے لئے پولس اور عدالتیں برقرار رکھتی ہے - ایک اور بڑا عامل
جس کی بدولت آزاد مسابقت کا دائرۂ عمل روز بروز تنگ ہوتا جارہا ہے
وہ وسائل نقل و حمل کی روز افزوں سہولت ہے - آج کل تقریباً ہر ملک
میں ہزاروں بلکہ لاکھوں باشندوں کے ذرائع معاش دوسرے ممالک کے

حالات سے ناگزیر طور پر وابستہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی ایک ملک میں کسی وجہ سے کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو اس کا اثر متعدد دوسرے ممالک پر پڑتا ہے۔ ہندوستان میں روئی کی فصل خراب ہوتی ہے تو جاپان کے پارچہ باف بیچین نظر آتے ہیں، کناڈا اور آسٹریلیا میں گیہوں کی کاشت پھیلتی ہے تو امریکہ اور آرجنٹائن کے کاشتکار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، انگلستان اور اس کی نو آبادیات میں ترجیحی تجارت کے معاہدے ہوتے ہیں تو ساری دنیا میں ایک کھلبلی مچ جاتی ہے، فرانس اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں دنیا کے کل سونے کی تین چوتھائی مقدار اکھٹی ہوجاتی ہے تو تمام دنیا کی تجارت خارسہ درہم برہم ہو جاتی ہے، روس اپنی شہرۂ آفاق پنجسالہ اسکیم پر عامل ہوتا ہے تو یورپ و ایشیا کی دوسری حکومتیں اپنی اپنی جگہہ پر سہمی جاتی ہیں، انگلستان معیار طلاء کو چھوڑ کر اپنے زر کی قدر کو گرا دیتا ہے تو ہندوستان سے سونے کی برآمد کا ایسا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو کسی طرح منقطع ہوتا نظر نہیں آتا، انگلستان اور امریکہ اپنے قرضے چکاتے ہیں تو ہندوستان سے لد لد کر چاندی روانہ کی جاتی ہے - غرض اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جن سے ہم یہ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ کیونکر گذشتہ چند سال کے اندر کرہ زمین کے مختلف حصوں میں رہنے والوں کے اغراض و مفاد ناقابل انفکاک طریقہ پر ایک دوسرے کے ساتھہ وابستہ ہو گئے ہیں - گزشتہ جنگ عظیم کے بعد سے تو یہ کیفیت اس قدر نمایاں ہوگئی ہے کہ اب کوئی ذی عقل انسان اس کی واقعیت سے انکار نہیں کرتا، عام ازیں کہ وہ اسے اچھا سمجھتا ہو یا برا - اِن مثالوں کو پیش کرنے سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے اِس چوتھے عشرہ میں جن جن حالات و کیفیات کے اندر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں وہ Laissez Faire یا اصول عدم مداخلت کے

سراسر منافی ہیں - جدید حالات و رجحانات نے اس نظام معیشت کے دونوں اہم مسلمات کو صاف طور پر جھٹلا دیا ہے - ہم بدیہی طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ آج کسی ملک کا نظم معیشت اپنے آپ نہیں چل سکتا - بغیر حکومت کی مداخلت اور مرکزی انتظام اور ترتیب کے خود بخود ٹھیک راستے پر چلنا تو درکنار وہ ایک دن کے لئے بھی برقرار نہیں رہ سکتا - دوسرے یہ خیال کہ ذاتی منافعہ کی خواہش میں افراد اپنے اپنے طور پر جو طریق عمل اختیار کرتے ہیں وہ لازماً مفاد عامہ کے مطابق ہوتا ہے ' صریحاً بے بنیاد ہے - مزدوروں اور سرمایہ داروں ' زمینداروں اور کسانوں ' دولتمندوں اور مفلسوں دولت پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کے مخالفانہ اعراض و مفاد کے مظاہرے روزانہ ہماری نظروں کے سامنے آتے رہتے ہیں - مزید برآں مختلف ممالک کے معاشی اعراض کا تصادم بھی کوئی مخفی شے نہیں ہے - ایسی حالت میں کیونکر کسی حکومت سے توقع کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے باشندوں کے مفاد کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خود الگ بیٹھی رہیگی - نتیجہ یہ ہے کہ اب اصول غیر مداخلت سے انحراف کی مثالیں ہر ملک میں اس قدر کثیر اور ایسی اہم ہوگئی ہیں کہ انہیں محض مستثنیات کہکر ٹالا نہیں جاسکتا - حقیقت یہ ہے کہ ان مستثنیات نے اصلی نظریئے کی ساری بنیادیں کھوکھلی کردی ہیں اور اس کی ظاہری شکل بھی اس قدر مسخ کردی ہے کہ جو ممالک اپنی دانست میں اُس پر کاربند ہیں ' وہاں بھی مشکل ہی سے اُس کی شناخت کی جاسکتی ہے - "

یہانتک ہم نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ انیسویں صدی کے مدبرین نے دنیا کے معاشی امراض کے علاج کے لئے Laissez Faire کا جو سیدھا سادہ اور آسان منتر تجویز کرلیا تھا ' وہ محض اضافی تھا - یعنی

اس کی تاثیر چند خاص حالات کے ساتھ وابستہ تھی ، جب تک وہ حالات برقرار رہے یہ منتر بھی موثر ثابت ہوتا رہا ، لیکن جب سے یہ حالات بدلنے شروع ہوئے لوگ اس تدبیر سے بھی بتدریج دست کش ہونے لگے ، حتیٰ کہ ایک ملک یعنی سوویٹ روس سے تو اب اس ملک کا پورے طور پر اخراج ہو چکا ہے اور بقیہ ممالک میں اگرچہ ابھی تک اس پر عمل جاری ہے تاہم اس کا دائرہ روز بروز تنگ ہوتا جارہا ہے اور اس کا حریف مسلک جسے انگریزی میں Planning System کہا جاتا ہے اس کی جگہہ مسلّط ہو رہا ہے - لیکن اس نئے ملک کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ایک طرف تو ہر ملک اپنے اپنے حدود کے اندر جس قدر جلد ممکن ہوسکے ، اس کو تکمیل تر پہونچانے کی کوشش کرے اور دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ تمام ممالک متفق ہوکر اپنے باہمی تعلقات کو بھی اُسی ملک کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں - کیونکہ جب تک مختلف ممالک سونچ بچار کرکے اپنے باہمی اغراض و مفاد میں بجائے تصادم کے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں گے اس وقت تک اس کرۂ ارض کے رہنے والوں کو باوجود قدرت پر روز افزوں غلبہ پانے کے امن اور چین کی زندگی نصیب نہیں ہوسکتی - چنانچہ موجودہ دور میں انسان جن گوناگوں مصائب میں مبتلا ہیں اور باوجود فراوانی دولت کے جو افلاس اُن میں پھیلا ہوا ہے ، اس کی سب سے بڑی ، سب سے اہم اور بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم سر دست ان دو مسلکوں کے بین بین ہیں ، یا یوں کہئے کہ ہم ان میں سے کسی پر بھی ٹھیک طور پر قائم نہیں ہیں -

اِن میں سے ایک تو وہی اپنے آپ چلنے والا قدیم طریق معیشت ہے جس کے تحت ذاتی نفع کی خواہش ، آزاد مسابقت کے توسط سے تغیرات قیمت کی رہنمائی میں ، خود بخود انسانی ضروریات کی سربراہی کردیتی ہے -

دوسرا وہ جدید نظام معیشت ہے جس کے تحت آئندہ ضروریات کا قبل از قبل تخمینہ کر کے ایک طرف تو دولت کی پیدائش کو اُسی کے مطابق ڈھالا اور قابو میں رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف پیدا کی ہوئی دولت کو اپنے آپ تقسیم ہونے کیلئے نہیں چھوڑ دیا جاتا بلکہ اُس کا بھی خاص طور پر انتظام کیا جاتا ہے - اول الذکر یعنی اپنے آپ چلنے والے طریقے کی خاص خوبی یہ ہے کہ اسکے تحت ایک تو انسان کی پیدا آور قوتوں کے لئے ذاتی نفع کی شکل میں ایک زبردست محرک دستیاب ہو جاتا ہے - دوسرے انسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ' عام اریں کہ وہ حقیقی ضرورت پر مبنی ہوں یا محض تلون مزاجی کا نتیجہ ' زیادہ گنجائش نکل آتی ہے - لیکن اس طریقے کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اُس کے تحت اشیاء کی طلب میں کوئی پابندی اور باقاعدگی نہیں رہتی جس کی وجہ سے دولت کی پیدائش اور اس کی نکاسی میں وقتاً فوقتاً سخت خلل واقع ہوتا ہے اور اس طور پر مفید اور ناگزیر وسائل معاش بیدریغ ضائع ہو جاتے ہیں - آخرالذکر طریقہ کی خوبیاں اور نقائص اس کے بالکل برعکس ہیں - نقص تو اس کا یہ ہے کہ اس کے تحت عام طور پر پیدائش دولت کا محرک نسبتاً ضعیف ہوتا ہے ' لیکن اس کی خاص خوبی یہ ہے کہ جو کچھ وسائل اور پیدا آور قوتیں انسان کو میسر ہوتی ہیں ' ان کو باقاعدگی اور کفایت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے اور اس طور پر جو کچھ دولت پیدا ہوتی ہے اس کی تقسیم میں حتی الوسع انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا جاتا - سر دست ہمیں ان دو متضاد طریقوں کی خوبیوں اور نقائص کی تفصیل سے چنداں سروکار نہیں ہے - بات جو قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ ہم حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ غیر محسوس طریقے پر سابقہ مسلک سے تو بہت کچھ ہٹ گئے ہیں لیکن اِس جدید

مسلک کی طرف جس سرعت کے ساتھہ قدم بڑھانا چاھئے ' نہیں بڑھا رہے ھیں - نتیجہ یہ ھے کہ ہم اس درمیانی دور کے اندر دونوں مسلکوں کے فوائد سے محروم ہوگئے ھیں - قبل از قبل سونچی ہوئی تجویزوں پر عمل کرنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ھیں ' وہ تو ابھی تک ہماری دسترس سے باہر ھیں لیکن سرکاری نگرانی ' خانگی مراعات اور اجاروں کی شکل میں ہم نے اس قدیم ' اپنے آپ چلنے والے طریقہ کی راہ میں بھی ایسی رکاوتیں پیدا کردی ھیں کہ جو فوائد آزاد مسابقت سے دولت صرف کرنے والوں کو حاصل ہوا کرتے تھے ' وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے جاچکے - نتیجہ یہ ھے کہ دنیا آجکل سخت ضغطے میں مبتلا ھے اور اس پریشانی کے عالم میں انسانوں سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہورہی ھیں - مثال کے طور پر ہم چند واقعات بیان کریں گے جو امید ھے کہ دلچسپی کا باعث ہونگے -

ہم جانتے ھیں کہ گزشتہ چند سال سے دنیا کے سب سے زیادہ دولتمند خطوں یعنی یورپ و امریکہ میں لاکھوں بندگان خدا کو محض اس وجہ سے پیٹ بھر کھانا نہیں مل رہا ھے کہ گیہوں خریدنے کے لئے اُن کے پاس کافی زر موجود نہیں ھے مگر انہیں ممالک میں بہت سے کاشتکار محض اس وجہ سے کہ انہیں اپنے گیہوں کی مناسب قیمت نہیں ملتی ' اس کی کثیر مقدار یا تو گوداموں میں بیکار ڈال رکھتے ھیں یا اگر اسکے مصارف بھی نا قابل برداشت ہونے لگیں تو اسے یونہی بیکار جلا ڈالتے ھیں اور آئندہ فصلوں کے لئے کاشت کا رقبہ گھٹا دیتے ھیں - کیا یہ تعجب کا مقام نہیں ھے کہ یورپ میں لاکھوں مفلس انسان سردی میں تھٹھرتے رہیں اور برزیل میں اعلیٰ درجہ کی قہوہ ریل کے انجنوں میں جلا دی جائے اور حکومت یہ حکم نافذ کردے

کہ آئیندہ تین سال تک قہوہ کا کوئی نیا بودا نہ لگایا جائے ؟ کسقدر حیرت کی بات ہے کہ جرمنی میں لاکھوں مرد اور عورتیں گوشت کو ترستے رہیں اور اس کے پڑوس کے ملک ڈنمارک میں ڈھائی لاکھہ بیل اور گایوں کو صرف اس وجہ سے ہلاک کرکے جلا دیا جائے کہ ڈنمارک کے کسان اُن کا گوشت جرمنی کے ہاتھہ نفع بخش قیمت پر نہیں فروخت کرسکتے ! ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ ہالینڈ میں ایک لاکھہ سور ہلاک کرکے جلا دئے گئے اور پرتگال میں شراب کی کثیر مقدار موریوں میں بہادی گئی مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ سور کا گوشت کھانا اور شراب پینا حرام تصور کرتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اِن چیزوں کا کوئی خریدنے والا نہیں - اسی طرح اسپین کے باغوں میں پھل درختوں ہی پر سڑ سڑ کر گر رہے ہیں اور ملایا مشرقی ' جزائر ہند اور جنوبی امریکہ میں ربڑ درختوں سے یونہی بہا جا رہا ہے لیکن کیا مجال کہ کوئی اُسے اکٹھا کرنے کی کوشش کرے - ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تو فوج کے سپاہیوں کو بھیج بھیج کر مزدوروں اور تاجروں کو تیل کے چشموں سے نکلوادیا گیا تاکہ وہ زمین سے تیل نہ نکالنے پائیں - مغربی جزائر ہند میں میلوں نیشکر کے درختوں کی شیرینی کھیتوں پر ہی کھڑے کھڑے ضائع ہوگئی اور ہندستان میں ہزارہا جوٹ کے پودوں کا بھی یہی حشر ہوا - مختلف ممالک میں ٹنوں مردہ مچھلی دوبارہ سمندر کے حوالے کردی گئی مگر بھوکے انسانوں کو کھانے کے لئے نہ مل سکی - غرض اِسی قسم کی بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے پیش کیجاسکتی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کیونکر یہ تہذیب و تمدن کے علمبردار ' اپنی عقل و ذہانت پر گھمنڈ کرنے والے اور بقیہ ساری دنیا کو بیوقوف سمجھنے والے ' خدا کی اِن بیش بہا نعمتوں کو بیدردی کے ساتھہ ضائع کررہے ہیں ' اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ اُنہیں کے بھائی بند

سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں تلاش معاش میں حیران و پریشان اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں - ہم جانتے ہیں کہ آج دنیا میں بیکاروں کی تعداد کا تخمینہ بیس ملین کیا گیا ہے - طرفہ یہ کہ اِس میں سے بارہ ملین صرف اُس ملک کے حصے میں آئے ہیں جو مسلمہ طور پر دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند ہے' جس کے بنکوں میں ساری دنیا کے سونے کی قریب قریب نصف مقدار محفوظ ہے اور دنیا کے بڑے بڑے ممالک جس کے قرضدار اور باجگزار ہیں - ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بارہ ملین اشخاص جو صرف چار سال پیشتر طرح طرح کے پیدا آور کاروبار میں لگے ہوئے تھے آج کام نہ ملنے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے روٹیوں کو محتاج ہیں - حالانکہ اُنہیں کے حدود عملداری کے اندر لاکھوں من گیہوں گوداموں میں اور کروڑوں روپے کا سونا بنکوں میں بند اور بیکار ہے - ایسی حالت میں اگر کوئی مریخ کا رہنے والا اِس کرۂ ارض کو ایک پاگل خانہ اور اس پر بسنے والوں کو ایک پاگلوں کا انبوہ تصور کرے تو کیا ہم انصافاً اُسے متعصب کہہ سکتے ہیں ؟

سوال یہ ہے کہ آخر اِس عجیب و غریب صورت حال کے اسباب کیا ہیں ؟

ہماری رائے میں سب سے اہم اور بنیادی وجہ تو وہی ہے جو ابھی اوپر بیان کی جاچکی ہے ' یعنی سائنس کی ایجادات ' وسائل آمد و رفت کی ترقی اور ہماری روز افزوں معلومات ہمیں بدیہی طور پر یہ بتلا رہی ہیں کہ یہ کرۂ ارض جس پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں' دراصل ایک Unit (اِکائی) یا رقبہ ہے اور اسلئے یہ ضروری ہے کہ اسکے گوناگوں معاملات کا انتظام کرتے وقت اِس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا جائے -

لیکن حالت یہ ہے کہ ہمئے باوجود ان مذہبی رجحانات کے اپنی اس چھوٹی سی دنیا کے کوئی ستر چھوٹے بڑے حصے کر رکھے ہیں اور وہ بھی کسی معقول اصول پر نہیں بلکہ محض چند اتفاقی حوادث کی بنا پر اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک حصہ اپنے آپ کو ایک بالکل علیحدہ دنیا بنانے کی فکر میں ہے - وہ اپنے تمام معاملات کا خود فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور دوسرے حصوں کے مشوروں کو مداخلت بیجا اور اپنی قومی آزادی کے منافی خیال کرتا ہے - اُسے محض اپنے حدود کے اندر بسنے والوں کے مفاد سے تعلق ہے اور اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کے افعال و حرکات کا دوسرے حصوں کے اغراض پر کیا اثر پڑتا ہے بقول مسٹر ولز کے "جن خیالات کے مطابق آجکل معاشی مسلک کی تشکیل ہو رہی ہے ' اُن میں سے کچھ تو قرون وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں ' کچھ قدیم روما کی شاہنشاہی کے زمانے سے چلے آرہے ہیں اور کچھ تاریخ کا آغاز ہونے کے قبل کے ہیں - لیکن ایسے خیالات پر جو دنیا کے واقعی حالات پر مبنی ہوں ' ہمیں کہیں بھی عمل ہوتا نظر نہیں آتا - کوئی با اقتدار ادارہ آج ایسا نہیں ہے جو دنیا کی تجارت کو ترقی دینے کی کوشش کر رہا ہو یا جسے یہ تحقیق کرنے کا اختیار ہو کہ آیا دنیا میں مناسب اشیا کثیر سے کثیر مقدار میں پیدا اور صرف ہو رہی ہیں - جو حکومتیں ہیں وہ محض جزئی ہیں اور اُن کی صرف یہ کوشش ہے کہ محض اپنی قوم والوں کے لئے کوئی موقع اچھی اشیاء کے استعمال کا نہیں بلکہ نفع کمانے کا حاصل کریں اور وہ بھی ایسا نفع جو اُن کے کوشش نہ کرنے کی صورت میں کسی اور ملک کے باشندوں کے حصے میں آتا - اِن حکومتوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ آیا انکا یہ طرز عمل بہ حیثیت مجموعی خود ان کی تجارت کی مقدار میں اضافہ کرتا ہے

یا تخفیف ' یا یہ کہ اس کی بدولت خود ان کے باشندوں کی حقیقی راحت و خوشحالی میں بھی در اصل کوئی اضافہ ہوتا ہے یا نہیں" ......مختصر یہ کہ قوموں کی باھمی بدگمانی اور ایک دوسرے کے حالات سے لا علمی ' اصول معاشیات در عمل کرنے سے اُن کا صریح انکار یا اس بدیہی حقیقت کو تسلیم کرنے سے اُن کا گریز کہ کوئی قوم اپنے آپ کو تباہ کئے بغیر اپنے گاھکوں کو تباہ نہیں کرسکتی ' یہی امور مسٹر ولز کی رائے میں گذشتہ چار سال کے درد ناک واقعات کی آخری اور قطعی نوجیہہ ہیں ' قوموں کے اس طرز عمل کو انگریزی زبان میں Economic Nationalism کے موزوں اور جامع الفاظ سے ظاھر کیا جاتا ہے - اُردو میں ہم اُسے "معاشی قومیت" کہہ سکتے ہیں - بس ہمارے اس تمام استدلال کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا کے موجودہ حالات تو ہمیں Economic Internationalism یا "معاشی بین‌الاقوامیت" کی تلقین کر رہے ہیں لیکن ہم اپنے قدیم قومی تعصبات ' نسلی امتیازات ' اور مذہبی اختلافات کے زیر اثر سختی کے ساتھ "معاشی قومیت" پر جمے ہوئے ہیں اور یہی ہٹ دھرمی در اصل ہماری موجودہ پریشان حالی کا بنیادی سبب ہے -

(۲)

اب ہم مختصراً اس اجمال کی تفصیل کیطرف متوجہ ہونگے - یعنی اُن واقعات پر نظر ڈالینگے جو "معاشی قومیت" کے مظاھر ہیں اور موجودہ عالمگیر کساد بازاری کے فوری یا قریبی اسباب تصور کئے جاسکتے ہیں -

یوں تو دنیا کی موجودہ مشکلات کے جراثیم طریق سرمایہ داری کی گذشتہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں ' تاہم ہمارے

اعراض کے لئے صرف سابقہ پندرہ سال کے واقعات پر نظر ڈالنا کافی ہے -
۱۹۱۸-۱۴ء کی عالمگیر جنگ سے ابھی ہم اسقدر قریب ہیں کہ اُس کے
پورے پورے نتائج کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ' تاہم آثار
و قرائن بدیہی طور پر بتلا رہے ہیں کہ نوع انسان کی زندگی کا یہ
عظیم‌الشان واقعہ تاریخ عالم میں اسوجہ سے ہمیشہ یادگار رہیگا کہ اُسکی
بدولت انسانوں کے تخیلات میں ایسا زبردست ہیجان اور اُن کے
گوناگوں تعلقات میں ایسی اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں کہ یہاں سے
دنیا کی تاریخ میں ایک بالکل ہی نئے باب کا آغاز ہوتا ہے - سر دست
ہمیں اِن تمام تخیلات اور تعلقات کی تبدیلیوں سے کوئی سروکار نہیں
ہے - ہم اس وقت جنگ عظیم کے صرف اُن معاشی نتائج پر نظر ڈالنا
چاہتے ہیں جو عالم کی موجودہ کساد‌بازاری پر براہ راست اثر انداز
ہوئے ہیں -

یہ امر محتاج بیان نہیں ہے کہ جنگ عظیم سے دنیا کو سخت
جانی اور مالی نقصان پہونچا لیکن اس مادی نقصان سے کہیں زیادہ
شدید وہ تباہی ہے جو قوموں کے باہمی تعلقات میں بدظنی اور
بے اعتمادی کے مستقل طور پر جاگزین ہوجانے سے واقع ہورہی ہے - یہ
بدگمانی دو امور میں خاص طور پر نمایاں ہے ؛ ایک فوجی قوت کے
سلسلے میں ' دوسرے تجارتی لین دین میں - اگرچہ فوجی پالیسی
کا دنیا کی معاشی خوشحالی پر بہت زیادہ اور براہ راست اثر پڑ رہا ہے '
تاہم یہاں ہمیں اُس سے بحث نہیں - ہماری بحث کا موضوع اسوقت
قوموں کا تجارتی لین دین ہے - جنگ سے پہلے دنیا کی عظیم‌الشان
تجارت خارجہ کا مدار زر اور اعتبار کے بہت ہی نازک اور انتہا درجے
مکمل انتظامات پر تھا - ان انتظامات کو انگریزی میں Gold

Standard System اور اُردو میں " طریق معیار طلاء " کہتے ہیں - دنیا کی موجودہ کساد بازاری کو سمجھنے کے لئے اس طریق کی نمایاں خصوصیات سے واقف ہونا ضروری ہے -

یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت سے اچھے خاصے ذہین اور عقلمند اشخاص نہ صرف ہندستان بلکہ ممالک یورپ میں بھی معیار طلاء کے نام ہی سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں اور اس کے طریق عمل کو سمجھنا ایک کار عظیم تصور کرتے ہیں - ممکن ہے یہ خیال ایک حد تک درست ہو لیکن جہانتک اس طریق کی بنیادی خصوصیت کا تعلق ہے ' وہ بہت سیدھی سادی اور بالکل آسان ہے - طریق معیار طلاء دراصل ایک ترکیب ہے جسکا خاص مقصد یہ ہے کہ مختلف ممالک کے قومی زروں کی اضافی قدر کو معین کردیا جائے - ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہندوستان میں روپیہ رائج ہے اُسی طرح انگلستان میں پونڈ ' فرانس میں فرانک ' امریکہ میں ڈالر ' جاپان میں ین ' اور ہر ہر ملک میں ایک ایک جداگانہ زر مروج ہے - اب سوال یہ ہے کہ ان مختلف قومی زروں کی اضافی قدر کیا ہے ' بہ الفاظ دیگر ایک پونڈ کتنے فرانک ' کتنے ڈالر ' کتنے ین ' اور کتنے روپیوں کے مساوی ہے ' کیونکہ جب تک اس بات کا قطعی علم نہ ہو ان مختلف ممالک کے مابین جدید پیمانے پر تجارتی لین دین اگر ناممکن نہیں تو کم از کم بہت دقّت طلب ہوجائیگا - چنانچہ اسی دقّت کو رفع کرنے کے لئے یہ ترکیب اختیار کی گئی کہ ہر ملک اپنے قومی زر کو سونے کی ایک معینہ مقدار کا ہم قدر قرار دے اور اپنی عملداری کے اندر ایسا انتظام کردے کہ لوگ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق مقرر کردہ شرح سے جس وقت چاہیں زر کے عوض سونا اور سونے کے عوض زر حاصل کرسکیں -

اب اگر ہر ایک زر سونے کی کسی معینہ مقدار سے ہر وقت بدل پذیر رہے تو ظاہر ہے کہ ان مختلف زروں کی قدریں نہ صرف ایک دوسرے کے مقابلے میں معین ہوجائینگی بلکہ ان میں وقتاً فوقتاً بڑے بڑے تغیرات بھی واقع نہ ہونگے -

اب رہا یہ سوال کہ اس استقامت اور تعین کی ضرورت کیا ہے ؟ اس کا جواب بالکل بدیہی ہے - وہ یہ کہ تجارت بین‌الاقوام کے لئے مختلف قومی زروں کی باہمی قدر کا معین رہنا بڑے فائدے اور سہولت کی بات ہے ' کیونکہ ایسی حالت میں مختلف ممالک کے تاجر پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ ایک دوسرے کے زروں کے عوض میں اشیاء کا لین دین کرتے ہیں - وہ قبل از قبل یہ جان لیتے ہیں کہ انہیں خود ملکی زر کے حساب سے مال تجارت کا کس قدر معاوضہ دینا یا لینا پڑے گا اور چونکہ اکثر و بیشتر تجارت کی بنیاد قرضے پر ہوتی ہے ' اس لئے اس بات کا قبل از قبل علم ہوجانا بے حد ضروری ہے - تجارت میں معمولاً یونہی بہت سے خطرات ہوتے ہیں ' اب اگر قوموں کے زروں کی باہمی قدریں بھی ہر وقت کم و بیش ہوتی رہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے تجارت میں ایک اور جدید اور خطرناک بے اطمینانی کا اضافہ ہوجاتا ہے -

مختصر یہ کہ اسی غیر معمولی سہولت کو پیش نظر رکھکر مختلف ممالک نے ' جو جنگ کے دوران میں بدرجۂ مجبوری معیارطلاء ' کو چھوڑ چکے تھے ' جنگ کے بعد دوبارہ اُس کو اختیار کرنے کی سخت کوشش کی اور موجودہ عالمگیر کساد بازاری شروع ہونے سے پیشتر اُن میں سے اکثر اس کوشش میں کامیاب بھی ہوچکے تھے - لیکن اس مرتبہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اب معیارطلاء میں وہ بات نہیں جو جنگ سے پہلے نظر آتی تھی - جس خوبی اور سہولت کے

ساتھ پہلے یہ معیار اپنا کام انجام دیتا تھا وہ اب اس میں باقی نہیں
رہی - مختلف زروں کی باہمی قدر میں استقامت ' جو حسب
سابق اُس کی بدولت پھر حاصل ہوگئی، اور اگر یہ بھی حاصل نہ ہوئی
تو پھر اُس کا فائدہ ہی کیا تھا ؟ لیکن مختلف ممالک کو اول تو دوبارہ
معیارطلاء پر لوٹنے کے لئے اور دوسرے لوٹنے کے بعد اس پر قائم رہنے کے
لئے جو جان سوز کوشش اور متواتر جد و جہد کرنی پڑی ' ان کی
بدولت اُنہیں سخت دقتوں بلکہ تباہ کن نتائج سے دو چار ہونا پڑا -
تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں البتہ یہ بدیہی ہے کہ سود کی
شرحوں میں غیر معمولی اضافہ ' کاروبار کے لیے قرض دینے میں غیر
معمولی رکاوٹ اور اشیاء کی قیمتوں میں جلد جلد تخفیف ' یہ ہیں
وہ ثمرات جو گذشتہ چند سال سے معیار طلاء کے طفیل میں دنیا کو مل
رہے ہیں - قدرتی طور پر سوال کیا جائے گا کہ کیوں ؟ آخر جنگ کے
بعد وہ کونسی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس نے معیارطلاء جیسے مفید
انتظام کو قوموں کے حق میں اس قدر مضر بنا دیا ہے ؟ اس کا مختصر
جواب یہ ہے کہ معیار طلاء کی مثال ایک کھیل کی سی ہے اور ہر کھیل کے
کچھ قواعد و ضوابط ہوا کرتے ہیں - جب تک تمام کھلاڑی اپنے آپ کو
ان قواعد کا پابند نہ کریں ' کھیل جاری نہیں رہ سکتا اور اگر پھر بھی
اس کو جاری رکھنے کی کوشش کی جائیگی تو سوائے اس کے کہ طاقتور
کھلاڑی کمزوروں کو پیٹیں ' اور کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا - یہی حال
معیارطلاء کا ہے - جنگ کے بعد اکثر قوموں نے اُسے دوبارہ اختیار تو کرلیا
لیکن بدقسمتی سے بعض نے اُس کے قواعد کی پابندی اپنے اوپر لازم نہ
سمجھی ' نتیجہ یہ کہ اولاً اُنہوں نے دوسروں کو پریشان کیا اور بعد
ازاں خود بھی مصیبت میں مبتلا ہوئے - بات یہ ہے کہ معیارطلاء کو

کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دنیا کو سونے کی جس قدر مقدار حاصل ہے اور ہوتی جارہی ہے وہ بڑی بڑی تجارتی قوموں میں کم و بیش ہر ایک کی ضروریات کے تناسب سے تقسیم ہوجائے - لیکن جنگ عظیم کے بعد سے کبھی بھی پورے طور پر اس شرط کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ یہ اندیشہ لگا رہا کہ کہیں پورے طور پر اُس کی خلاف ورزی نہ ہوجائے - اولاً ریاستہائے متحدہ میں اور بعد ازاں فرانس میں دنیا کا سارا سونا کھنچ کھنچ کر جانے لگا اور یہ سلسلہ اب تک برابر جاری ہے نتیجہ یہ کہ اِن دو ملکوں میں تو سونے کے ذخائر اُن کی ضروریات سے کہیں زیادہ جمع ہوگئے ہیں اور بقیہ ممالک اپنے کاروبار کے لئے اس کی سخت قلت محسوس کر رہے ہیں -

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں ساری دنیا کا سونا کھنچ کھنچ کر امریکہ اور فرانس میں جمع ہوتا جارہا ہے اور کیوں دوسرے ممالک اپنی اپنی ضرورت کے لائق سونا حاصل کرنے سے معذور ہیں - امریکہ کی بابت تو اس سوال کا جواب ظاہر ہے - جنگ سے بیشتر ریاستہائے متحدہ کا شمار دنیا کے قرضدار ممالک میں تھا یہاں کے باشندوں نے اپنے ملک کے وسیع قدرتی وسائل کو کارآمد بنانے کی غرض سے برطانیہ عظمیٰ اور دوسرے یورپی ممالک سے کثیر قرضے لے رکھے تھے اور اُن قرضوں پر وقتاً فوقتاً جو سود واجب الادا ہوتا تھا اُسے وہ زیادہ تر اشیائے خوراک اور خام پیداواروں کی بر آمد سے ادا کیا کرتے تھے - جنگ کے آغاز تک یہ سلسلہ برابر اسی طرح جاری تھا البتہ باہر سے جدید قرضے حاصل کرنے کی رفتار گھٹتی جارہی تھی - لیکن جنگ کے دوران میں یہ کیفیت بالکل بدلگئی - اول تو یورپی ممالک کے تمام تجارتی کاروبار یکلخت بند ہوگئے - دوسرے جنگ جاری رکھنے کے لئے اِن ممالک کو

اور ان میں بھی خاص کر اتحادیوں کو اشیائے خوراک اور گوناگوں ضروریات جنگ کی شدید اور روز افزوں ضرورت ہونے لگی - ریاستہائے متحدہ کو اپنی مالی حالت سدھارنے کا اس سے بہتر کون موقع مل سکتا تھا ؟ اول تو اس ملک نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو یورپی جھگڑوں سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی اور ایک مدت تک کامیابی کے ساتھ غیر جانبداری پر قائم رہا ' دوسرے اہل امریکہ نے نہایت مستعدی کے ساتھ غیر ملکی اشخاص کا جس قدر سرمایہ امریکہ کے کاروبار میں لگا ہوا تھا ' اُسے خریدنا شروع کیا حتیٰ کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ اپنے تمام کاروبار کے خود مالک بنگئے ' تیسرے مصیبت زدہ اہل یورپ کے آڑے وقت سے فائدہ کمانے میں انہوں نے ذرا بھی تامل نہیں کیا - اشیائے خوراک اور ضروریات جنگ کثرت سے تیار کرکے وہ منھہ مانگی قیمتوں پر یورپ والوں کے ہاتھہ فروخت کرنے لگے اور اپنے خریداروں کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ قیمت ادا کرسکیں ' اعلیٰ اعلیٰ شرحوں سے کثیر رقمیں قرض دیں - ان تمام واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ ختم ہوئی تو ریاستہائے متحدہ کی حیثیت بالکل بدلی ہوئی تھی - اب وہ قرضدار نہیں بلکہ دنیا کا بہت بڑا قرض خواہ ملک تھا - یورپی اقوام اور خاص کر برطانیہ عظمیٰ سے سود کی داشتہ سال بہ سال کثیر رقمیں اُس کو واجب الوصول ہونے لگیں - لہذا سوال یہ پیدا ہوا کہ ان رقموں کی ادائی کی کیا سبیل نکالی جائے - بدیہی طور پر اس کا بہترین ذریعہ یہ تھا کہ یورپ والے اپنا مال ریاستہائے متحدہ کو زیادہ روانہ کریں اور خود اُن سے جس قدر ہوسکے کم مال خریدیں - لیکن دو وجوہ سے اس کا امکان نہ تھا - ایک تو اختتام جنگ کے بعد اہل یورپ میں یہ سکت نہیں رہی تھی کہ وہ فوراً کثرت سے مال تیار کرکے امریکہ روانہ کریں ' اس کے

برعکس وہ اپنی ضروریات کے لئے خود امریکہ کے محتاج تھے اور اِس وجہ سے جنگ کے بعد بھی امریکہ سے بہ کثرت مال خریدتے رہے - دوسرے یہ کہ ریاستہائے متحدہ نے خوب محصول لگا لگا کر خاص کر اُنہی اشیاء کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا جن کے توسط سے اہلِ یورپ اپنے قرضے ادا کرسکتے تھے - نتیجہ یہ کہ یورپ والوں کو نہ صرف اپنے قرضوں پر سود ادا کرنا پڑتا تھا بلکہ زیادہ مال خریدنے اور کم مال فروخت کرنے کی وجہ سے بھی اُن پر مزید رقموں کی ادائی واجب ہوتی تھی - غرض اِس غیر متوازن صورت حال کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ریاستہائے متحدہ میں سونے کی کثیر مقدار اکٹھی ہوجائے - چنانچہ ۱۹۲۴ ع میں امریکہ کے سونے کی مقدار فرانس کو چھوڑ کر دنیا کے تمام ممالک کے سونے کی مجموعی مقدار کے برابر تھی -

دوسرا بڑا ملک جہاں آج کل سونے کی مقدار ضرورت سے زیادہ جمع ہوگئی ہے ، وہ فرانس ہے ، لیکن یہاں اس صورت حال کے اسباب کسی قدر مختلف ہیں - ان کو سمجھنے کے لئے ہمیں چند باتیں خاص طور پر یاد رکھنی چاہئیں ۔ ایک یہ کہ فرانس جنگ کے پہلے ہی سے ایک بڑا قرض خواہ ملک ہے - دوسرے یہ کہ جنگی قرضوں کی بابت جو رقمیں اُسے ادا کرنا پڑیں اُن سے کہیں زیادہ رقوم تاوان جنگ کی صورت میں اُسے جرمنی سے وصول ہوئیں - تیسرے یہ کہ جنگ کے بعد فرانس کی صنعتوں میں تو بہت تیزی سے ترقی ہوئی لیکن صرف دولت اور اُجرتوں کی شرح میں اُسی مناسبت سے توسیع نہیں ہوئی - چوتھے یہ کہ فرانس بہت بڑی حد تک اپنی ضروریات کا آپ کفیل ہے ، یعنی برطانیہ اور جرمنی کے مقابلے میں تجارت درآمد و برآمد پر اُس کی زندگی کا کم مدار ہے - مزید برآں جنگ کے بعد فرانس نے اپنی تجارت برآمد کو خوب وسعت دی لیکن اپنی

قدیم تجارتی مسلک کے مطابق مال درآمد کو ملک میں داخل ہونے سے روکتا رہا - نتیجہ اِن تمام امور کا یہ ہوا کہ فرانسیسی سرمایہ داروں کے پاس کثیر رقمیں سونے کی شکل میں پس انداز ہونے لگیں -

اب جنگ کی بدولت اور ممالک کی طرح فرانس کے انتظامات زر بھی درہم برہم ہوگئے تھے اور بیلگ کے بعد اُن کو ازسرنو درست کرنے سے قبل بعض اور اسباب کے زیر اثر فرانک کی قیمت اِس قدر گھٹ گئی کہ ہر شخص اُس سے الحذر کرنے لگا - خود فرانسیسی سرمایہ دار کثرت سے اپنا سرمایہ دوسرے ممالک اور خاص کر برطانیہ کو روانہ کرنے لگے جہاں پونڈ اِسٹرلنگ کی قیمت ایسے متواتر اور بحران کُن تغیرات سے محفوظ تھی - نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ فرانسیسی سرمائے کی ایک کثیر مقدار قلیل المیعاد قرضوں کی شکل میں لندن کے بنکوں میں جمع ہوگئی - اب برطانیہ کے لئے یہ ایک طرح کی زبردستی غیبی امداد تھی کیونکہ امریکہ کو متواتر سونا روانہ کرنے سے انگلستان بنک کے ذخائر میں جو خطرناک کمی واقع ہو رہی تھی ' اُس کی تلافی ایک حد تک اس فرانسیسی سونے سے ہوگئی - دوسرے یہ کہ برطانیہ نے ان فرانسیسی رقوم کے بھروسے پر کچھ تو اعلیٰ شرح سود کے لالچ میں اور کچھ سیاسی وجوہ کی بناء پر کثیر رقمیں جرمنی کو قرض دیدیں اور بعد کے حالات کی روشنی میں ہم یہ محسوس کررہے ہیں کہ یہ برطانیہ کی بڑی غلطی تھی - کیونکہ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں ' فرانسیسی رقمیں صرف قلیل المیعاد امانتوں کی شکل میں برطانیہ کو روانہ کی گئی تھیں ' برطانیہ کے لئے یہ بات قرین عقل نہیں تھی کہ وہ ایسی رقموں کو لیکر خاص کر جرمنی جیسے ملک میں پھنسادے جسکی مالی حالت کسی طرح سے تشفی بخش نہیں تھی - ہمیں فی الحال ان اختلافی مباحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں -

واقعات کا جہاں تک تعلق ہے ہم یہ جانتے ہیں کہ جیسے ہی فرانسیسی زر کے انتظامات درست ہوگئے اور فرانک کی قدر میں استقامت پیدا ہوگئی ' فرانسیسی سرمایہ دار بتدریج اپنی امانتیں لندن سے واپس منگوانے لگے جسکی وجہ سے سونا انگلستان بینک سے نکل نکل کر پیرس جانے لگا - برطانیہ کے مالی نظام کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا - امریکہ کی جانب تو سونے کی روانگی کا سلسلہ بدستور جاری ہی تھا ' اب جو پیرس والوں کے مطالبات شروع ہوئے تو صورت حال روز بروز خطرناک ہونے لگی کیونکہ برطانیہ کے لئے یہ بات قطعی ناممکن تھی کہ وہ فرانس کی رقمیں ادا کرنے کے لئے اپنے قرضداروں اور خاص کر جرمنی سے اپنے قرضوں کی فوری واپسی کا مطالبہ کرے - اگر ایسا کیا جاتا تو جو عالمگیر مالی مرحلہ ۱۹۳۱ ع تک رکا رہا وہ فوراً شروع ہوجاتا اور جرمنی کی ساکھ اور اُس کے اعتبار کا تو یقیناً خاتمہ ہوجاتا -

واضح رہے کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں سیاسی مصلحتیں بھی پس پردہ بہت کچھ کار فرما رہیں - یوروپی سیاسیات کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ جنگ عظیم کے بعد سے برطانیہ کی خارجی پالیسی کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ جرمنی کی معاشی حالت کو پورے طور پر تباہ نہ ہونے دیا جائے تاکہ ایک طرف تو وہاں اشتراکیت کی حمایت اور روسی تجربے کی تقلید کا خیال جڑ نہ پکڑنے پائے اور دوسری طرف فرانس کی قوت ایک خاص حد سے متجاوز نہ ہو سکے - برطانیہ کا بلا روک ٹوک جرمنی کو قرضے دینا اور فرانس کا اپنی قلیل المیعاد امانتوں کو اس قدر اصرار کے ساتھ واپس لینا در اصل انہی سیاسی احساسات کے مظاہر ہیں -

اس توضیح سے ناظرین کو یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کیوں جنگ کے بعد اور جنگ ہی کے نتیجے کے طور پر مختلف ممالک کے درمیان سونے کی تقسیم میں یہ حیرت انگیز سقم پیدا ہوگیا ہے - لیکن بات جو قابل توجہ ہے ' وہ یہ ہے کہ اس خرابی کا وبال فی نفسہ معیارطلاء کے طریقے پر ڈالنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی ذمہ داری در اصل اُن ممالک پر عائد ہوتی ہے جو اس کھیل کے قواعد کی برابر پابندی نہیں کر رہے ہیں - اگر ریاستہائے متحدہ اور فرانس بنک کاری کے ناگزیر اصولوں پر عامل رہتے تو سونے کی یہ نا مناسب تقسیم اس قدر دیر پا ثابت نہ ہوتی ' بلکہ معیارطلاء کے اٹل اصولوں کے مطابق خود بخود اس کی اصلاح ہوجاتی - اس معیار پر عامل رہنے کا اقتضا یہ تھا کہ یہ ممالک سونے کے ذخیروں میں اضافہ ہوتا دیکھکر اپنے قومی زر کی مقدار بھی اُسی تناسب سے بڑھا دیتے - اسکا ناگزیر نتیجہ یہ ہوتا کہ ان ملکوں میں اشیاء کی قیمتیں دوسرے ممالک کے مقابلے میں چڑھ جاتیں جسکی وجہ سے اُن کے مال کی برآمد گھٹ جاتی اور دوسرے ممالک کا مال ان کے یہاں زیادہ مقدار میں در آمد ہونے لگتا اور اس روز افزوں درآمد کی قیمت ادا کرنے کے لئے سونا یہاں سے نکل نکل کر حسب ضرورت دوسرے ممالک میں تقسیم ہوجاتا اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہتا جبتک کہ اُن ممالک میں بھی قیمتیں اُسی سطح پر نہ اُتر آتیں جو دنیا کی قیمتوں کی عام سطح کہلاتی ہے - بدقسمتی سے نہ امریکہ نے اس اصول کی پابندی کی اور نہ فرانس نے بلکہ دونوں نے علی‌الاعلان اُس کی خلاف ورزی کی اور وہ اِس طور پر کہ جو سونا اُنھیں وصول ہوتا گیا اُسے قاعدے کے مطابق اپنے قومی زر کی بنیاد بنانے کے بجائے اپنے بنکوں میں یونہی بیکار ڈال رکھا - انگریزی اصطلاح میں انہوں نے اُسے Sterilize کر دیا یعنی اُسے اپنا فطرتی فرض انجام دینے سے باز رکھا - فرانس اور

امریکہ کی طرف سے الزام کا یہ جواب دیا جاتا ھے کہ اگر ہم اِس قدر کثیر سونے کی مقدار کے تناسب سے اپنے زر کی مقدار میں اضافہ کر دیتے تو اسکی وجہ سے ھماری اندرونی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہوکر ھماری صنعت و حرفت اور دوسرے کاروبار تباہ ہو جاتے اور ظاہر ھے کہ کسی ملک سے ایسے ایثار کی بجا طور پر توقع نہیں کیجاسکتی - تفصیل میں پڑے بغیر ہم اِسکے جواب میں صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا بعد کے واقعات ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ فرانس اور امریکہ نے سونے کو اسطرح بچا بچا کر در اصل کوئی فائدہ حاصل کیا ھے ؟ کیا یہ صحیح نہیں ھے کہ باوجود سونے کی تین چوتھائی مقدار اپنے پاس دبارکھنے کے یہ دونوں ملک بھی عالمگیر کساد بازاری سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ؟ اب رہا یہ سوال کہ آیا قواعد کی پابندی کی صورت میں اُنہیں اِس سے زیادہ نقصان پہنچتا یا کم ، اِسکا جواب نہ ممکن ھے اور نہ مفید - لہذا ہمیں اُسکی تحقیق میں اپنا وقت ضائع کرنیکی کوئی ضرورت نہیں - سونے کی تقسیم کی اِس خرابی کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بتایا جاتا ھے کہ امریکہ اور فرانس ضرورت مند ممالک کو اور قرضے عطا کریں تاکہ اسطرح پر سونا اُن کے یہاں سے نکل نکل کر دوسرے ممالک میں پہنچے اور اُس کی تقسیم درست ہونے سے پھر معیار طلاء کا عمل حسب سابق جاری ہوسکے - بلا شبہ اِس ترکیب سے امریکہ اور فرانس میں جو سونے کے انبار لگ گئے ہیں ، وہ دوسرے ممالک میں پھیل جائینگے اور اِس طور پر ممکن ھے کہ جو دقتیں معیار طلاء کے بگڑ جانے سے پیدا ہوگئی ہیں وہ رفع ہوجائیں - لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ ایک محض عارضی علاج ھے - اِس سے مرض کی بیخکنی ہونے کے بجائے اس میں آئندہ اور شدت پیدا ہونے کا

قرینہ ہے - کیونکہ اول تو قرضوں کا وقتاً فوقتاً سود ادا کرنا ہوگا ' دوسرے کچھ مدت بعد خود اصل کی واپسی بھی ضروری ہے - سوال یہ ہے کہ آخر یہ مطالبات کیسے اداہوں ؟ مال و اسباب لینے سے تو قرضخواہوں کو انکار ہے ' لہذا ضروری ہوا کہ سونا واپس کیا جائے - اس طرح ہم پھر اُسی نقطہ پر پہنچگئے جہاں سے آغاز کیا تھا - اگرچہ اس ترکیب سے مرض کا مستقل علاج نہیں ہوسکتا ' تاہم یہ صحیح ہے کہ اُسکی بدولت موجودہ تکلیف و مصیبت سے کچھہ آرام ضرور مل سکتا ہے مثلاً ۱۹۲۴ع کے بعد ایک مدت تک امریکہ میں سونے کی مقدار میں مزید اضافہ رکا رہا بلکہ اس میں کچھہ تخفیف ہی ہوگئی - اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اُس زمانے میں امریکہ والے اپنا سرمایہ کثرت کے ساتھہ دوسرے ممالک اور خاصکر جرمنی کو قرض دے رہے تھے - جرمنی اس سرمائے سے کچھہ تو اپنی شکستہ حالت درست کرنے اور کچھہ تاوان جنگ ادا کرنے میں مدد لے رہا تھا - لیکن جب ۱۹۲۹ع میں امریکہ والوں نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے ہی ملک میں سرمایہ لگاکر زیادہ منافعہ کما سکتے ہیں تو انہوں نے نہ صرف مزید قرضوں کا سلسلہ بند کر دیا بلکہ اپنے سابقہ قرضے بھی واپس لینے لگے - اور چونکہ مال و اسباب کی شکل میں قرضہ واپس نہ لینے کی اُنہوں نے گویا قسم کھا رکھی تھی اسلئے یورپ اور ساری دنیا کا سونا نہایت سرعت کے ساتھہ پھر امریکہ میں جمع ہونے لگا - جہاں تک فرانسیسی سرمایہ داروں کا تعلق ہے ' انہیں بیرونی ممالک اور خاص کر روس میں قرض دیکر کچھہ ایسے تلخ تجربے ہوئے ہیں کہ اب وہ اس طور پر اپنے سرمائے سے کام لینے میں بہت تامل کرتے ہیں - روسی انقلاب میں فرانس کے سرمایہ داروں کی کثیر رقمیں ڈوب گئیں - اُس کے بعد سے وہ ایسے خوفزدہ ہوگئے ہیں کہ اپنا سرمایہ باہر بھیجنا بہت کم کردیا ہے اور جو کچھہ روانہ کرتے بھی

ھیں تو وہ قابل الادا فرضوں کی شکل میں یا بیرونی ممالک کے بنکوں میں امانتوں کے طور پر ساکھ جیسے ھی انہیں کوئی خطرہ محسوس ھو، وہ اپنی رقمیں واپس منگواسکیں - مختصر یہ کہ موجودہ معاشی بدنظمی کی ایک بڑی وجہ یہ ھے کہ دنیا کے دو بڑے قرضخواہ ملک فرانس اور ریاستہائے متحدہ نہ تو مال و اسباب کی شکل میں اپنے قرضے واپس لینا چاھتے ھیں اور نہ سر دست قرضدار ممالک کو وصول طلب رقمیں کچھ اور مدت کے لیے قرض دینے پر آمادہ ھیں - نتیجہ یہ ھے کہ سونے کی کثیر مقدار صرف ان دو ملکوں میں بیکار پڑی ھوئی ھے اور بقیہ ممالک میں سونے کی سخت قلت محسوس ھو رھی ھے - اس قلت کی وجہ سے ان ممالک کو معیارطلاء کے اصولوں کے مطابق زر کی مقدار گھٹانی پڑی، شرح سود میں اضافہ کرنا پڑا اور کاروبار کے لیے قرضے دینے میں غیر معمولی طور پر ھاتھہ روکنا پڑا، ان انتظامات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عام اشیاء کی قیمتوں میں تخفیف ھو - چنانچہ یہ تخفیف شروع ھوئی اور ۱۹۲۹ع کے بعد سے وہ اس قدر شدید اور عالمگیر ھوگئی کہ دنیا کی تاریخ میں اس کساد بازاری کی کہیں نظیر نہیں ملتی -

(۳)

ھم اس مضمون کے پہلے حصے میں یہ معلوم کر چکے ھیں کہ ھماری موجودہ مشکلات کا بنیادی سبب ھمارا وہ طرز عمل ھے جسے "معاشی قومیت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ھے - کیونکہ اس طرز عمل نے جنگ کے بعد معیار طلاء کے سارے انتظام کو درھم برھم کر دیا، اس کی بھی مختصر کیفیت ھم اوپر معلوم کر آئے ھیں اب ھم اسی طرز عمل کی دو اور مثالیں پیش کریں گے جنھیں موجودہ کساد بازاری

سے بہت گہرا تعلق ہے - ان میں سے پہلی مثال تاوان جنگ کی ہے اور دوسری قوموں کے تجارتی مسلک کی -

تاوان جنگ کے متعلق یہ سوال کہ وہ کس نسبت کہاں تک حق بجانب ہے در اصل ایک بے سود سوال ہے - آپ قیامت تک اس مسئلے پر بحث کرتے رہئے لیکن اس پر فریقین میں کبھی اتفاق رائے نہیں ہو سکتا - اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہم صرف واقعات سے ابتدا سروکار رکھیں اور یہ دیکھیں کہ یہ واقعات کس حد تک موجودہ صورت حال کے پیدا کرنے میں معاون ہوئے ہیں - واقعات یہ ہیں کہ جن قوموں نے گذشتہ جنگ میں فتح حاصل کی اُنہی کو اور اُن میں بھی خاصکر فرانس اور بلجیم کو دوران جنگ میں سب سے زیادہ مالی نقصان پہنچا اُن کے بیسیوں شہر برباد ہوگئے ' عمدہ عمدہ عمارتیں جل کر خاکستر ہو گئیں کارخانے اُجڑ گئے ' کاروبار برباد ہوگئے ' سیکڑوں میل کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں جل کر سیاہ ہوگئیں ' لاکھوں ایکڑ زمین ناقابل کاشت بن گئی ' اور ہزاروں پر امن زندگی بسر کرنے والے اور گاڑھے پسینے سے روٹی کمانے والے دیہاتی بے خانماں ہوگئے - مزید براں قوم کے لاکھوں نوجوان ہلاک ہوئے اور جو بچ رہے ان میں سے اکثر و بیشتر اپاہج اور آئندہ روٹی کمانے سے معذور ہوگئے - جس قوم کو فتح حاصل کرنے میں ایسے کثیر جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑیں ' مفتوح دشمن کے خلاف اس کے غیظ و غضب کی بھلا کیا حد و انتہا ہو سکتی ہے - نتیجہ یہ کہ جب جرمنی اور دوسری شکست خوردہ قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کے لئے فتح مند لیکن تباہ حال متحدین کی کونسل بیٹھی تو ان میں سے ہر ایک رکن اس بات پر تلا ہوا تھا کہ نہ صرف اپنے اپنے نقصانات کی پوری پوری تلافی کرے بلکہ جرمنی کو اس عظیم‌الشان

قتل و غارت کا تنہا مجرم قرار دیکر اُس کی بھی خاطر خواہ سزا دے -
جہاں تک کہ جرم کی ذمہ داری کا تعلق ہے صرف جرمني پر اُس کا
بار ڈالنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی فٹ بال کے مقابلے میں صرف اُس
کھلاڑي کو مقابلے کا باعث قرار دینا جو سب سے پہلے گیند آگے بڑھاتا ہے -
جس دنیا میں قوموں کے باہمي تنازعات کے فیصلے کا بجز جنگ کے
کوئی اور ذریعہ نہ ہو ' جہاں جنگ و جدال اور قتل و غارت کو انسانی
ترقی کا ناگزیر عامل بلکہ خود تہذیب و تمدن کا مظہر خیال کیا جاتا
ہو ' وہاں کسی ایک قوم کو ایک بڑی عالمگیر جنگ کا تنہا ذمہ دار
ٹھہرانا محض ایک طفلانہ حرکت ہے - لیکن یہ بحث ہمارے مضمون
سے غیرمتعلق ہے - جو بات ہمارے لئے خاص طور پر قابل لحاظ ہے '
وہ یہ ہے کہ جب متحدین کے نمائندے جرمنی کو سزا دینے کے لئے
بیٹھے تو وہ جنگ کے بھڑکائے ہوئے رنج اور غصہ کے جذبات سے بیحد
مغلوب اور واقعات کو اُن کی اصلي حالت میں دیکھنے سے بالکل معذور
تھے - فرانس اور بلجیم کے اغراض اس مسئلے سے خاص طور پر وابستہ
تھے کیونکہ انساني جماعتوں کی اس بینظیر کشتی کے لئے انھی قوموں
کي سر زمین کو دنگل بنایا گیا تھا اور اسی وجہ سے سب سے زیادہ مالی
نقصان اُنھیں کو برداشت کرنا پڑا تھا - لہذا کوئي وجہ نہ تھي کہ اُن کے
نقصانات کي تلافي نہ کیجائے چنانچہ فرانس اور بلجیم نے اپنے مطالبات
پیش کئے اور ان کي انتہائی مقداریں تجویز کیں - برطانیہ عظمی نے اپنے
کثیر بحری نقصانات کو مدنظر رکھکر جرمنی کے تمام تجارتی جہاز ضبط
کر لئے اور جنگی وظائف کا ایک علیحدہ مطالبہ پیش کیا - ریاست ہائے
متحدہ نے بیشک نرمی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی لیکن چونکہ وہ خود
جنگی قرضوں کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت پر آمادہ نہیں تھا
لہذا اس کی نصیحت کا نہ کوئي اثر ہوسکتا تھا اور نہ ہوا - نتیجہ یہ

کہ ان تمام نقصانات کی ایک لمبی چوڑی فہرست تیار کی گئی اور جرمنی سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ (۱۳۲) ملیارڈ طلائی مارک حتو (۶۶۰۰) ملین پونڈ کے مساوی ہوتے ہیں متحدین کو بطور تاوان ادا کرے - نفرت و حقارت کے جذبات سے متاثر ہوکر فاتحین نے تاوان کی یہ مضحکہ خیز مقدار تو مقرر کردی، لیکن ایک لمحے کے لئے یہ نہ سوچا کہ آخر یہ کثیر رقم ادا ہو تو کیسے ہو - کیونکہ اگر جرمنی یہ ساری رقم سونے کی شکل میں ادا کرنے کی کوشش کرتا تو دنیا میں سونے کی جو کل مقدار موجود ہے ' اُس کی کم از کم سہ گنی مقدار اس غرض کے لئے درکار ہوتی اور اگر یہ خیال تھا کہ جرمنی سے اس رقم کے ہم مقدار مال و اسباب وصول کیا جائے ' تب بھی یہ ایک لاحاصل کوشش تھی کیونکہ ایک ایسے ملک سے جس کے سارے باشندے قحط کی مصیبتوں میں مبتلا ہوں ' جس کی نو آبادیات چھین لی گئی ہوں ' جس کے جہازات ضبط کر لئے گئے ہوں' اور جو اپنے معدنیات اور دولت کے سر چشموں سے محروم کر دیا گیا ہو ' یہ کیونکر توقع کیجاسکتی تھی کہ وہ اس قدر کثیر مقدار میں مال و اسباب تیار کرے - مختصر یہ کہ سونے کی شکل میں تو اس تاوان کا ادا ہونا صریحاً محال تھا اور اگر بالفرض بہ‌دقت تمام مال و اسباب کی شکل میں اُس کا امکان تھا بھی تو وہ یہاں خارج از بحث ہے ' کیونکہ یہ متحدین کا منشا ہی نہ تھا - انگلستان کے مشہور ماہر معاشیات ' پروفیسر کینس نے اپنی معرکۃ‌آلار کتاب "صلح و رسائی کے معاشی نتائج" میں نہایت خوبی اور تحقیق کے ساتھ اِن مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور انہوں نے نیز دوسرے ماہرین نے حکومت وقت کو اس حماقت کی طرف متوجہ بھی کیا - لیکن جہاں جذبات بھڑکے ہوئے ہوں ' وہاں بھلا غریب پروفیسروں کی باتوں پر کون دھیان کرتا ؟ یہ کہکر کہ ان بڑے بڑے بڑھانے والوں کو عملی سیاسیات کے

پر پیچ اور بلند مسائل سے کیا واسطہ انگلستان اور اس کے حلیف
اپنے اِن عجیب و غریب مطالبات پر سراسر اڑے رہے اور اپنے اصرار سے یورپ
بلکہ ساری دنیا کے سیاسیات میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرتے رہے -

اب سوال یہ ہے کہ یورپ کے ماہرین سیاست کے اس تدبر کا دنیا
کی موجودہ کساد بازاری کے پیدا کرنے یا کم از کم اُسے اور زیادہ سخت
بنانے میں کیا حصہ ہے - اِس غرض کے لئے ہمیں اولاً تاوان جنگ کی
بعض خصوصیات پر نظر ڈالنا چاہئے - تاوان کی سب سے نمایاں
خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ ادا کرنے والے ملک کے حق میں محض ایک
بار ہی بار ہے - قومیں یوں تو ہمیشہ ایک دوسرے کی قرضدار رہتی ہیں
لیکن تاوان جنگ ایک ایسا قرضہ ہے جو کسی پیدا اور کاروبار کے لئے
نہیں لیا گیا ' بلکہ جو کسی سابقہ نقصان کی تلافی کے لئے ادا کیا جاتا
ہے - جو قرضے کاروبار میں لگائے جاتے ہیں وہ اپنی ادائیگی کی آپ سبیل نکال
لیتے ہیں اور اس وجہ سے لینے والے اور دینے والے دونوں کے حق میں مفید
ہیں - تاوان جنگ کی یہ نوعیت نہیں ہے - لینے والے کے حق میں تو وہ
محض ایک سابقہ نقصان کا معاوضہ ہے لیکن دینے والے کے حق میں وہ سراسر
ایک بوجھ ہے - اُسکو ادا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ باشندوں پر روز افزوں
ٹیکس لگائے جائیں جس کی بدولت اُن کا معیار زندگی پست ہوتا جاتا ہے
اور مختلف اشیاء خریدنے کی قوت سلب ہوتی جاتی ہے ' اور جیسے جیسے
یہ قوت سلب ہوتی ہے اُسی مناسبت سے تجارتی چہل پہل میں کمی ہوتی
جاتی ہے ' مال فروخت نہیں ہوتا اور کاروبار سرد پڑ جاتے ہیں - یوں تو ہر
حکومت اپنی رعایا سے ٹیکس وصول کرتی ہے لیکن ان محاصل کا ایسا
برا اثر نہیں پڑتا کیونکہ اگر ایک طرف ادا کرنے والوں کی جیبیں
خالی ہوتی ہیں تو دوسری طرف تحفظ جان و مال تعلیم و حفظان

صنعت اور دوسری گوناگوں خدمات کی شکل میں انہیں معاوضہ بھی
مل جاتا ہے تاوانی محاصل کا بدیہی طور پر یہ اثر نہیں ہو سکتا ۔
تاوان ایک غیر پیدا آور قرضہ ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ ایک خارجی
قرضہ بھی ہے ' یعنی اس کے پانے والے خود باشندگان ملک نہیں ہیں
بلکہ ایک غیر حکومت ہے اور یہ خصوصیت بجائے خود ادا کرنے والی
حکومت کے لئے کئی طرح سے ضرر رساں ہے - ایک یہ کہ جب حکومت
کے قرض خواہ خود ملک ہی کے باشندے ہوتے ہیں جیسے کہ جنگی
تمسکات کی صورت میں تو حکومت پر اگر ایک طرف قرضے کے ادا کرنے
کا بار پڑتا ہے تو دوسری طرف اسے مزید آمدنی حاصل کرنے کا ایک
ذریعہ بھی حاصل ہو جاتا ہے - تاوان میں یہ بات نہیں - دوسری دقت یہ
ہے کہ ادا کرنے والی حکومت کو نہ صرف اپنی رعایا پر ٹیکس لگاکر رقم
مہیا کرنی پڑتی ہے بلکہ وہ اس رقم کو دوسرے ملک کے زر میں بدلنے
کی بھی ذمہ دار ہے - جرمنی کا صرف یہ کام نہیں ہے کہ وہ اپنے زر یعنی
مارک کی شکل میں ایک معینہ رقم مہیا کردے بلکہ اس کا یہ بھی
فرض ہے کہ خاص خاص شرحوں کے حساب سے حسب ضرورت ' فرانک '
پونڈ ' اور دوسرے زر حاصل کرے یا اُن کے ہم مقدار سونا فراہم کرے
اور یہ کوئی آسان کام نہیں - خارجی قرضے کی تیسری دقت یہ ہے کہ
گرتی ہوئی قیمتوں کے زمانے میں اُس کا بار اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے
چنانچہ اِس بناء پر بھی جرمنی کے بار میں گذشتہ چند سال کے اندر
غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے - تاوان جنگ کی چوتھی اور آخری خصوصیت
یہ ہے کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا جاتا ہے ' ادا کرنے والے ملک میں اُس
کی مخالفت بڑھتی جاتی ہے ' اُس کو خلاف انصاف تصور کیا جاتا ہے '
اور اُس کی بدولت سیاسی تعلقات میں پیچیدگیاں اور بین الاقوامی
کار و بار میں ساکھ اور اعتبار مفقود ہوجانے سے گوناگوں رکاوٹیں

پیدا ہوجاتي ہیں - جرمنی میں اڈولف ہٹلر کی ترقی کا راز بہت بڑی حد تک تاوان جنگ کے انہي ناگزیر نتائج میں مضمر ہے -

اگر فاتح ملکوں کے مدبرین واقعی تدبر سے کام لیتے تو اولاً وہ تاوان کی ایسی مضحکہ انگیز مقدار مقرر نہ کرتے ' دوسرے وہ اس بات پر اصرار نہ کرتے کہ اُن کے مطالبات نقد سونے کی شکل میں ادا ہوں فرانس اور بلجیم کو در حقیقت جو چیز مطلوب تھی وہ سونے کی غیر ضروری مقدار نہیں بلکہ اپنے تباہ شدہ علاقوں کی دوبارہ تعمیر تھی - ایسی حالت میں کیا یہ بات زیادہ قرین عقل نہ تھی کہ تاوان جنگ کا حساب مارک ' فرانک یا پونڈ میں کرنے کی بجائے جرمنی کو اس بات پر مجبور کیا جاتا کہ وہ منتخدین کی نگرانی میں اپنے مزدوروں اور اپنے مال و اسباب سے تمام تباہ شدہ علاقوں کی تعمیر کر دے - جرمنی سے اس قسم کا تاوان فوراً وصول کیا جاسکتا تھا کیونکہ اُس کے پاس نہ مزدوروں کی کمی تھی اور نہ اشیائے تعمیر کی - قابل ستائش ہیں فرانس کے وہ مزدور جنہوں نے بے مثل فراخدلی اور متانت سے کام لیکر اپنے مشہور ادارے کے توسط سے حکومت پر پورا زور ڈالا کہ وہ تاوان وصول کرنے کا یہی قرین عقل طریقہ اختیار کرے - لیکن فرانس کے پیٹ بھرے سرمایہ دار یہ کیونکر گوارا کرسکتے تھے کہ دوسرون کي تباهي سے روپیہ کمانے کا یہ زرّیں موقع اُن کے ہاتھ سے نکلجائے - جرمنی سے عام تنفر کی حالت کا اقتضاء ھي یہ تھا کہ متانت اور معقولیت کو شکست اور تنگدلی اور بے عقلی کو فروغ ہو - مختصر یہ کہ کانفرنسیں ہوئیں ' کمیشن مقرر ہوئے ' کمیٹیاں بیٹھیں اور برخاست ہوئیں ' لیکن جرمني سے اُس کی حقیقی قابلیت سے زیادہ ایک پائی وصول نہ کیجاسکی - اولاً کچھ مدت تک تو جرمنی کا تاوان جنگ دنیا کے دوسرے ممالک

کے باشندوں نے ادا کیا - مثلاً جرمن مارک کی دہشت گری دیکھکر خود ہمارے ملک میں ہزاروں اشخاص نے اپنا روپیہ جرمنی کے حوالہ کردیا یا یوں کہئے کہ جرمنی کے توسط سے اُس کے قرضخواہوں کی نذر کردیا - بعد ازاں جب جرمنی نے سابقہ زر کو منسوخ کرکے جدید زر معیارطلاء کے اُصول پر جاری کیا اور جرمن مارک میں استقامت پیدا ہوئی تو دوسرے ممالک اور خاصکر ریاستہائے متحدہ سے قرضہ لیکر تاوان کی ادائی ہوتی رہی - لیکن جب بعض اور وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر آئندہ آئیگا ' ریاستہائے متحدہ سے مزید قرضے حاصل کرنے کا امکان جاتا رہا تو حالت بگڑنی شروع ہوئی - کچھہ دنوں تک برطانیہ نے مدد دی لیکن جب خود برطانیہ کی مالی حالت کی طرف سے بے اطمینانی پھیلی تو اِس حیران کن سلسلے کے اور جاری رہنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ' حتیٰ کہ گذشتہ سال لوزان کانفرنس میں متحدین کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تاوان سے دست بردار ہوجانا پڑا - نتیجہ وہی ہوا جو اس طرز عمل کی بدولت ہونا چاہئے تھا لیکن اس اثناء میں ایک طرف تو جرمنی میں سخت تباہی پھیلی ' اور اِسٹریزے مان اور برونلنگ جیسے مدبرین کی جگہہ گوئرنگ اور ہر ہٹلر جیسے اشخاص نے حاصل کی اور دوسری طرف معیارطلاء کا بین‌الاقوامی انتظام جس پر ساری دنیا کی تجارت خارجہ کا مدار تھا ' ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا -

تاوان جنگ کے سلسلے میں خود متحدین کے باہمی جنگی قرضوں کا مختصر ذکر بھی ضروری ہے - صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف جرمنی ' آسٹریا ' ہنگری اور بلگیریا سے تاوان جنگ وصول ہوتا ہے اور جن ممالک کو یہ تاوان وصول طلب ہے وہ برطانیہ ' فرانس ' اٹلی جاپان ' بلجیم ' زیکو سلواکیا ' رومانیا ' یوگو سلاویا ' یونان ' پرتگال ' اور برطانوی نوآبادیات ہیں - دوسری طرف تاوان جنگ کے یہ تمام

امیدوار خود یا تو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قرضدار ہیں یا برطانیہ عظمی کے یا اکثر و بیشتر صورتوں میں دونوں کے - اب اِن جنگی قرضوں کی بھی وہی نوعیت ہے جو تاوان جنگ کی ہے یعنی یہ قرضے پیدا آور اغراض کے لئے نہیں لئے گئے تھے ' بلکہ اِسی کرۂ ارض کے خاص خاص حصوں پر بسنے والوں کو ہلاک اور اُن کے املاک کو تباہ کرنے کے سامان فراہم کرنے کے لئے حاصل کئے گئے تھے - ظاہر ہے کہ تاوان کی رقوم کی طرح ان کا بار بھی براہ راست قرضدار ممالک کے مالیات پر پڑتا ہے - جنہیں بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ایک طرف تو اپنے اپنے باشندوں پر خوب ٹیکس لگاکر اُن کی ادائی کی سبیل نکالیں اور دوسری طرف حتی الوسع اِس بات کی کوشش کریں کہ اپنا مال روز افزوں مقداروں میں دوسرے ممالک کے ہاتھ فروخت کریں لیکن دوسرے ممالک کا مال حتی الوسع اپنے ملک میں نہ آنے دیں ' تاکہ اس طور پر جو ماحصل زائد سونے کی شکل میں حاصل ہو اُس سے اپنے قرضے ادا کر سکیں - لیکن جب ہر ملک بیچنا چاہے اور کوئی خریدنا نہ چاہے تو اس سے ماحصل زائد تو دستیاب نہ ہوگا ' البتہ مدبرین سیاست کے تدبر کا ایک دلچسپ منظر ضرور پیش نظر ہوجائیگا - تاوان جنگ کی دوسری خصوصیات بھی متحدین کے ان باہمی قرضوں میں بدرجۂ اتم موجود ہیں یعنی وہ اندرونی نہیں بلکہ خارجی قرضے ہیں اور اِسوجہ سے منتقلی رقوم کا عقدۂ لاینحل اور خارجی غیر پیدا آور قرضوں کی دوسری خرابیاں یہاں بھی نمایاں ہیں' تیسرے یہ کہ قیمتوں کی تخفیف کیوجہ سے ادا کرنےوالے ممالک کے حق میں یہ قرضے بھی بہت بڑا بار ہوگئے ہیں -

تاوان جنگ اور جنگی قرضوں کے متعلق ' ہمارے اِس تمام اِستدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ آجکل مہذب دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کثیر غیر پیدا آور قرضوں میں مبتلا ہیں - اِن میں سے بعض صرف قرضدار ہیں'

معض صرف قرضخواہ اور اکثر قرضدار بھی ہیں اور قرضخواہ بھی - چونکہ یہ تمام قرضے صرف غیر پیداآور کاموں میں صرف ہوئے ہیں اسلئے ادا کرنے والوں کے حق میں وہ بہت بڑا بار ہوگئے ہیں - خصوصاً جب سے تجارت خارجہ والی اشیا کی قیمتوں میں تخفیف ہوگئی ہے اُنکا بار بالکل ناقابل برداشت ہو گیا ہے - تاوان جنگ اور جنگی قرضے ادا کرنے کی فکر میں ہر مُلک یہ کوشش کر رہا ہے کہ اپنا مال تو فروخت کرے لیکن دوسروں کا مال نہ خریدے - نتیجہ یہ کہ کسیکا مال فروخت نہیں ہو رہا ہے - اگر ہر ملک کے اثاثے اور ذمہ داریوں کا حساب کیا جائے تو صرف دو ملک ایسے باقی رہتے ہیں جنہیں بحیثیت مجموعی کثیر رقمیں واجب الوصول رہتی ہیں : ایک ریاستہائے متحدہ دوسرے فرانس - نتیجہ یہ کہ جیسے ہی قرضے ادا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے دوسرے ممالک سے سونا نکل نکلکر اِن دو ملکوں میں جمع ہونے لگتا ہے - اور اسکی وجہ سے بین الاقوامی انتظامات زر میں سخت پیچیدگی اور ناقابل حل مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں اور جیسے جیسے یہ پیچیدگیاں اور مشکلات بڑھتی جاتی ہیں، قرضداروں کی مالی حالت اور تباہ ہوتی جاتی ہے اور وہ اپنے قرضے ادا کرنے کے اور ناقابل بنتے جاتے ہیں - اِن حالات میں اِصلاح کی بجز اِسکے اور کیا تدبیر ہوسکتی ہے کہ اِن تمام غیر پیدا آور قرضوں کا یک لخت خاتمہ کردیا جائے، عام ازیں کہ وہ تاوان کی شکل میں ہوں یا جنگی قرضوں کی شکل میں ؟ تاوان کی حد تک تو یہ تدبیر بصد جبر و اکراہ اور بہ دقّت تمام اختیار کیجا چکی ہے رہے جنگی قرضے، تو اکثر ملکوں نے اُس کے ادا کرنے سے انکار کردیا ہے، جنمیں سب سے نمایاں مثال فرانس کی ہے - برطانیہ بھی اُن کے ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہے اور اِس بارے میں ریاستہائے متحدہ سے گفت و شنید جاری ہے - حالات و قرائن صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ تاوان جنگ کی طرح یہ جنگی قرضے بھی بہت جلد بین الاقوامی سیاسیات سے نا پید ہو جائینگے -

(۴)

اب ہم معاشی قومیت کے ایک اور دلچسپ مظہر یعنی تجارتی مسلک کی طرف متوجہ ہوں گے - ہر شخص یہ جانتا ہے کہ تجارت کا انحصار تقسیم عمل کے اصول پر ہے اور تقسیم عمل کے فوائد بالکل بدیہی اور ناقابل انکار ہیں - بجائے اسکے کہ ہر شخص اپنی ضرورت کی تمام اشیاء خود تیار کرے ' یہ زیادہ مناسب ہے کہ مختلف لوگ مختلف کاموں کے لئے مخصوص ہو جائیں اور اپنی اپنی پیداواروں کا آپس میں مبادلہ کرکے اپنی ضروریات پوری کریں - اِس طور پر کیا بلحاظ مقدار اور کیا بلحاظ خوبی کام بہتر طور پر انجام پاتے ہیں اور جو انسانی جماعتیں اِس اصول پر عامل ہوتی ہیں انکا معیار زندگی بہ مقابل دوسری جماعتوں کے جو اُسپر عامل نہیں ہوتیں ' بہت بلند ہوتا ہے -

اِس اصول کا اطلاق جس طرح ایک ہی ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے ' بالکل اُسی طرح مختلف ممالک کے مابین بھی کیا جاسکتا ہے - ہر ملک ہر چیز کی پیدایش کے لئے مساوی طور پر موزوں نہیں ہے بلکہ خاص خاص ملک خاص خاص چیزیں نسبتاً بہتر اور ارزاں تیار کرسکتے ہیں - ایسی حالت میں بحیثیت مجموعی تمام دنیا کی دولت میں ' اور فرداً فرداً ہر ہر ملک کی خوشحالی میں ' کثیر سے کثیر اضافہ کرنے کی بدیہی صورت یہ ہے کہ ہر ایک ملک اپنے آپ کو صرف اُن چیزوں کی پیدایش کے لئے مخصوص کردے جن کے لئے وہ گوناگوں اسباب کی وجہ سے موزوں ترین واقع ہوا ہے اور اپنی ضرورت کی بقیہ چیزیں دوسرے ممالک سے جو اُن کی پیدایش کے لئے خاص طور پر موزوں ہیں ' بذریعہ مبادلہ حاصل کرے - اسی مبادلہ کو اصطلاح میں تجارت خارجہ یا تجارت بین‌الاقوام کہتے ہیں -

موجودہ زمانے میں جبکہ ذرائع آمد و رفت کی ترقی کی بدولت دنیا کے دور دراز ممالک ایک دوسرے سے قریب اور قریب تر ہوتے جا رہے ہیں' اقتضائے عقلمندی یہ ہے کہ بنی نوع انسان تقسیم عمل کے اصول سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے اور جہاں تک ممکن ہو تجارت داخلہ اور خارجہ دونوں کو ایسے راستوں پر لگائے جس سے دنیا میں کثیر سے کثیر خوشحالی پھیل سکے - تجارت داخلہ کی حد تک تو دنیا اس اصول کی صداقت کو تسلیم کر چکی ہے اور ہر ملک اس بات کی پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ نہ صرف تجارت کے راستے سے ہر قسم کی رکاوٹ کو دور کرے بلکہ جہانتک ممکن ہو مال و اسباب کے نقل و حمل میں سہولتیں پیدا کرے لیکن جونہی تجارت خارجہ پر اس اصول کا اطلاق کرنے کی کوشش کیجاتی ہے' معاشی قومیت کے جذبات اپنا اثر دکھانے لگتے ہیں اور لوگ ایسی بدیہی حقیقت کے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرنے لگتے ہیں - ہمارا منشاء یہاں تجارت آزاد اور تامین تجارت کے موافق و مخالف دلائل پر بحث کرنا نہیں ہے - اس کی نہ یہاں گنجائش ہے اور نہ ضرورت - البتہ یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ باوجود اُن عارضی اور جزئی مستثنیات کے جن سے معاشیین کو انکار نہیں ہے' اس اُصول کی عام صداقت میں اب تک کوئی قابل لحاظ تبدیلی نہیں کیجاسکی اور نہ آئندہ اس کی کوئی توقع نظر آتی ہے -

لیکن گزشتہ نصف صدی کی معاشی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس اثنا میں دنیا کی تقریباً تمام آزاد قومیں نہایت پابندی کے ساتھ اِس اصول کی خلاف ورزی کرتی رہی ہیں اور اپنی عملداری کے اندر اکثر ایسے کاروبار جاری کرنے کی کوشش کرتی رہی

ہیں جو بغیر حکومت کی امداد کے کبھی اپنے آپ نہ جاری ہوسکتے تھے اور نہ قائم رہ سکتے تھے - نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ کئی ممالک ایک ہی قسم کا مال و سامان اپنی اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ تیار کرنے لگے اور اس کی وجہ سے ہر ایک کو اپنے مال کے لئے بازار اور اُس کی تیاری کے لئے خام پیداوار حاصل کرنے میں روز افزوں دقّت محسوس ہونے لگی - لیکن جنگ سے پہلے تک یہ دقتیں اِس حد تک نہیں پہونچ سکی تھیں کہ ان اقوام کو اپنے تجارتی مسلک کی غلطی کو تسلیم کرنے پر مجبور کرسکیں اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ایشیا اور افریقہ کے کمزور ممالک اِن طاقتور آزاد قوموں کی دقّتوں کو بہت کچھہ حل کر دیتے تھے - ایک طرف تو وہ اُن کی مصنوعات کے لئے وسیع بازار مہیا کر دیتے تھے اور دوسری طرف اِن مصنوعات کے لئے طرح طرح کی خام پیداواریں فراہم کردیتے تھے - اگرچہ جنگ کے پہلے ہی سے اِس انتظام کے بنیادی نقائص ظاہر ہونے لگ گئے تھے ' تاہم کسی نہ کسی طرح کام چل رہا تھا ' اور اگر جنگ واقع نہ ہوتی تو شاید اور چند سال تک یہ کیفیت برقرار رہ سکتی - لیکن جنگ عظیم نے اس شعبے میں بھی بعض ایسے تغیرات پیدا کر دئے ہیں جن کی بدولت یا تو مختلف اقوام کو اپنے قدیم تجارتی مسلک میں بہت کچھہ تبدیلی کرنا پڑیگی اور یا انہیں تجارت بین الاقوام کے گوناگوں فوائد سے محروم ہوکر ایک ادنی معیار زندگی پر قانع ہونا پڑیگا - جنگ عظیم کے جو نتائج خاص کر تجارتی مسلک کے نقطۂ نظر سے ہمارے لئے غور طلب ہیں وہ حسب ذیل ہیں -

اول تو خود یورپ میں جنگ کی بدولت کئی ایک چھوٹی چھوٹی آزاد حکومتیں قائم ہوگئیں - اب ان میں سے ہر ایک نے اُسی " معاشی

قومیت " کے جذبے کے زیر اثر اپنے اپنے حدود کے اندر ہر قسم کے زرعي اور صنعتي کاروبار جاري کرنے شروع کئے عام ازیں کہ وہ کاروبار اُن کے قدرتي اور دوسرے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے موزوں ہوں یا نہ ہوں - چونکہ دوسرے ممالک کے مقابلے میں یہ کاروبار اپنے آپ قائم نہ رہ سکتے تھے ' اِس لئے اِن نئی حکومتوں نے کچھہ جوش وطنیت میں اور کچھہ اپنی نئی حاصل کردہ آزادی کو جتلانے کے خیال سے غیر ممالک کے مال پر اعلیٰ اعلیٰ شرحوں سے محصول در آمد لگانا شروع کیا - یہ مسلک جو نسبتاً بڑے ممالک کے حق میں ہی باوجود اُن کے وسیع اثرات کے سخت تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا ' اِن ذرا ذرا سی کمزور ' قرضدار اور محدود وسائل والی قوموں کے لئے صریحاً نا قابل عمل ثابت ہونے لگا - وجہ صاف ظاہر ہے - آج کل اکثر و بیشتر کاروبار اُسی وقت نفع بخش ثابت ہوتے ہیں جبکہ انہیں بڑے پیمانے پر چلایا جائے اور بڑے پیمانے پر چلانے کے لئے تین چیزوں کی خاص طور پر ضرورت ہے ' ایک سرمایہ دوسرے وسیع بازار ' تیسرے کثیر مقدار میں خام پیداوار - اِن چھوٹے چھوٹے ممالک کو اِن میں سے ایک بات بھی نصیب نہ تھي - سرمایہ تو انہوں نے اعلیٰ شرح سود کا لالچ دیکر بعض دوسرے ممالک سے قرضوں کی شکل میں ایک حد تک حاصل کرلیا ' لیکن مال کی نکاسی کیلئے بازار نہ ملنے کی وجہ سے یہ قرضے اُن کے حق میں غیر پیدا آور قرضے بن گئے اور کاروبار کامیاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ روز بروز گرانبار ہوتے گئے - اِس حیرانی کے عالم میں اِن ملکوں نے یہ سوچ کر کہ کم از کم اپنے اپنے ملکی بازار ہی محفوظ کرلیں ' بیرونی ممالک کے مال کی در آمد پر اور زیادہ شرحوں سے محصول لگانا شروع کیا - گویا صورت یہ پیدا ہوگئی کہ ہر ملک اپنا مال تو بیچنا چاہتا ہے لیکن دوسروں

کا مال خریدنا نہیں چاہتا اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ محض ایک مجذونانہ حرکت ہے ' اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تجارت بین‌الاقوام کا پورے طور پر خاتمہ ہوجائیگا -

جنگ عظیم کا ایک اور قابل لحاظ اثر یہ ہوا کہ اُس کی بدولت اکثر ایشیائی ممالک کو ' جو اب تک صرف یورپی اقوام کے معاشی اغراض و مفاد کی تحصیل کا ذریعہ بنے ہوئے تھے ' اپنے مفاد کو سمجھنے اور اُسے موثر طور پر جتلانے کا موقع مل گیا - بعض ایشیائی اقوام نے تو اپنے آپ کو یورپ کے سیاسی اور اسی وجہ سے معاشی اثر سے بالکل آزاد کرلیا ' لیکن جو ایسا نہ کرسکے وہاں بھی کچھہ تو زمانے کے بدلے ہوئے تخیلات اور کچھہ سیاسی ہلچل نے ایسی صورت پیدا کردی کہ اب وہاں یورپ کے اغراض و مفاد کو خود اہل ملک کے اغراض و مفاد پر ترجیح دینے کی بہت کم گنجائش رہگئی - نتیجہ یہ کہ یورپ والوں کے بڑے بڑے کاروبار جو محض وسیع ایشیائی بازاروں کے برتے پر چل رہے تھے ' اب روز بروز غیر نفع بخش ثابت ہوتے جارہے ہیں - مزیدبرآں جن ایشیائی ممالک میں جنگ کے خاص حالات کے زیر اثر نئی نئی صنعتیں قائم ہوگئیں ' وہاں فطرتی طور پر یہ خواہش پیدا ہوگئی ہے کہ وہ اب کہیں بیرونی مقابلے کی وجہ سے تباہ نہ ہوجائیں لہذا اعلیٰ اعلیٰ شرحوں سے غیر ممالک کی در آمدوں پر محصول لگائے جاتے ہیں -

جنگ عظیم کا ایک اور بڑا نتیجہ ریاستہائے متحدۂ امریکہ کی حالت کی تبدیلی ہے - ہم اس سے قبل یہ معلوم کر چکے ہیں کہ کیونکر جنگ کی بدولت ریاستہائے متحدہ کی حیثیت بجائے قرضدار کے

ایک بڑے قرضخواہ ملک کی ہوگئی - تجارتی مسلک کے نقطۂ نظر سے بھی یہ تبدیلی بہت اہمیت رکھتی ہے - دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک کی طرح ریاستہائے متحدہ کا مالی مسلک، بھی قدیم سے نامیتن تجارت رہا ہے - جبتک اس ملک کی حیثیت ایک قرضدار کی سی تھی ' یہ مسلک اُس کے لئے چنداں ناموزوں نہیں تھا ' کیونکہ اُس زمانے میں وہ دوسرے ممالک سے زیادہ مال خریدتا اور اپنا مال کم فروخت کرتا تھا ' اور اس طرح جو زائد قیمت واجب‌الادا ہوتی اس کے لئے باہر سے قرضہ لیا کرتا تھا - جنگ کے زمانے میں صورت حال بالکل اس کے برعکس ہوگئی : اب دوسرے تمام ممالک کثرت سے اُس کے قرضدار ہوں اور اس پر طرّہ یہ کہ اب وہ اپنا مال زیادہ فروخت کرنا اور دوسروں سے کم خریدنا چاہتا ہے - جنگ کے بعد چند سال تک تو یوں کام چلتا رہا کہ امریکہ کو جس قدر رقوم واجب‌الادا ہوتی تھیں انہیں وہ قرضے کے طور پر پھر یوروپ والوں کے حوالے کر دیتا تھا - لیکن جب بعض وجوہ سے یہ سلسلہ بھی بند ہوگیا تو اب بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ یا تو مال و اسباب کی شکل میں اپنے قرضے واپس لے یا پھر ہمیشہ کے لئے اپنے قرضوں سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے - معاشی قومیت کا دراصل یہ ایک بہت دلچسپ نتیجہ ہے -

(۵)

دنیا کی موجودہ کساد بازاری کے سلسلے میں ہم یہ اکثر سنتے ہیں کہ زراعت پیشہ طبقوں پر اس کساد بازاری کا خاص طور پر سخت اثر پڑا ہے - اس واقعہ کے اسباب کا مختصر بیان یہاں بے محل نہ ہوگا -

ابھی تک یہ خیال بہت عام تھا کہ سائنس کی ترقی اور مشین کے استعمال کی بدولت انسان کی قوت پیدا آوری میں جو غیر معمولی اضافہ گزشتہ ایک صدی کے اندر ہوا ہے وہ صرف صنعت و حرفت تک محدود ہے - زراعت کے متعلق یہ خیال تھا کہ اس کارو بار کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اُس میں نہ سائنس کے انکشافات سے کوئی خاص فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور نہ مشین کے استعمال کی زیادہ گنجایش ہے ۔ اِس بنا پر کئی مرتبہ پیشین گوئیاں کی گئیں کہ زرعی پیدا واروں کی قیمتیں مصنوعات کی قیمتوں کے مقابلے میں لازمی طور پر بڑھ جائینگی کیونکہ زراعت پیدائش بہ پیمانہ کبیر کے ان تمام فوائد سے محروم ہے جو صنعت و حرفت کے کارو بار کو بدرجۂ اُتم حاصل ہیں - لیکن یہ پیشین گوئیاں کبھی پوری نہیں ہوئیں - حقیقت یہ ہے کہ پیدائش دولت کے جدید طریقوں نے جس طرح صنعت و حرفت کے کارو بار میں انقلاب پیدا کردیا ہے ' اُسی طرح زرعی کارو بار بھی اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے اور یہ کیفیت بیسویں صدی کے آغاز سے بہت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے - زراعت کے مختلف شعبوں میں اب مشینوں کا استعمال روز افزوں ہے - جنگ سے پہلے تک صرف دنیا کے نو آباد ممالک مثلاً کناڈا ' اور آسٹریلیا میں یہ رجحان زیادہ نظر آتا تھا لیکن اب تو قدیم ممالک میں بھی یکے بعد دیگرے زراعت کے قدیم طریقے متروک ہوتے جارہے ہیں اور بڑے پیمانوں پر مشینوں سے زراعت کرنے کا رواج پھیلتا جا رہا ہے - اِسکے علاوہ سائنس کی روز افزوں معلومات سے بھی زراعت کے ہر ایک شعبے میں وسیع پیمانے پر استفادہ کیا جا رہا ہے ۔ مصنوعی کھادوں کے ذریعے سے زمین کی قوت پیدا آوری کو بڑھانا ' عمدہ تخم پیدا کرکے مختلف

پیداواروں کی خوبی میں اضافہ کرنا ' آبپاشی کے ذرائع کی توسیع سے نئی نئی زمینوں کو قابل کاشت بنانا ' مویشیوں کی نسلوں کو طرح طرح سے سدھارنا اور زرعی پیداواروں کو بغیر اُن میں کوئی خرابی پیدا ہوئے دور دراز ممالک تک روانہ کرنا ' ان تمام اُمور میں سائنس کی تحقیقات سے جو غیر معمولی امداد آجکل حاصل کیجارہی ہے ' اسکا علم ممکن ہے عام طور پر نہ ہو لیکن اُس کے نتائج روز افزوں زرعی پیداوارں کی شکل میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں - اشیائے خوراک کی کمی کے سبب دنی نوع انسان کا قحط کی مصیبتوں میں مبتلا ہونا ' کبھی اس قدر بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا تھا جتنا کہ وہ آج کل نظر آتا ہے - دنیا کو آجکل جو شکایت ہے وہ زرعی پیداواروں کی قلّت کی نہیں بلکہ اُنکی اِفراط کی ہے ' حالانکہ ابھی اکثر و بیشتر ممالک میں زراعت انہیں قدیم ' غیر کار گزار اور ناقص طریقوں سے کیجارہی ہے - جب ہندوستان اور چین جیسے وسیع اور زرخیز ممالک بھی اِن جدید طریقوں سے کام لینے لگینگے تو نہ معلوم خدا کی یہ عجیب و غریب مخلوق اپنے خالق کی اِن گوناگوں نعمتوں پر کسقدر واویلا مچائیگی -

مصر کے قدیم افسانوں میں ایک قصہ مذکور ہے جسکا بیان یہاں خالی از دلچسپی نہ ہوگا - سنا ہے کہ گیہوں جو اب صرف بالوں میں پیدا ہوتا ہے ' کسی زمانے میں درخت کے سرے سے لیکر زمین تک برابر اُگا کرتا تھا - ایک مرتبہ کسی عورت کا بچہ دریائے نیل کے کنارے کیچڑ میں گرگیا - ماں نے بچے کو صاف کرنے کیلئے مٹھی بھر گیہوں توڑلیئے - دیوتاؤں کو بڑا غصہ آیا کہ نالائق انسان انکی نعمتوں کو اس طرح ضائع کرے - انہوں نے بال کو چھوڑ کر پودے کے باقی تمام حصے کو گیہوں اُگانے

کے نا قابل بنادیا تا کہ اناج کی قلت ہوجانے سے حضرت انسان کو اُسکی قدر معلوم ہو - جیسا کہ سر آرتھر سا لٹر نے اِس قصے کے ضمن میں بیان کیا ہے ' ممکن ہے سائنس کے انکشافات کی بدولت ہم دوبارہ اس نعمت کو دیوتاؤں سے حاصل کرلیں لیکن اس عجیب و غریب دنیا میں جہاں افراط کا یہ اثر ہوتا ہے کہ لوگ اور مفلس ہوجاتے ہیں ' اِس کھوئی ہوئی نعمت کا دوبارہ حاصل ہوجانا سردست ہماری مشکلات میں اور اضافہ کر دیگا -

مختصر یہ کہ گزشتہ چند سال سے غلہ اور اجناس کی پیداوار میں تو غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے - لیکن اُن کی طلب میں اُسی مناسبت سے توسیع نہیں ہوئی ہے - اور یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں - انسان کو اشیائے خوراک کی بلا شبہ سخت ضرورت ہے لیکن یہ ضرورت بہت تھوڑی مقدار سے رفع ہو جاتی ہے اور انسان ضرورت سے زیادہ اِن چیزوں کا خواہشمند نہیں ہوتا - کیونکہ جیسا کہ آدم اسمتھ مدتوں قبل کہہ چکا ہے شکم انسانی کی وسعت بہت محدود ہے - دوسری اشیاء کی حالت بالکل اس کے برعکس ہے - جس قدر آپ اُنکی سر براہی کیجئے اسیقدر وہ "هل من مزید" پکارتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ جوں جوں مصنوعات میں توسیع اور اُن کی قیمتوں میں تخفیف ہوتی ہے ' اُنکا بازار بھی اُسی مناسبت سے وسیع ہوتا جاتا ہے ' پرانے خریدار پہلے سے زیادہ مقداریں خریدتے ہیں اور جو لوگ اب تک خرید نہیں سکتے تھے وہ خریدار بنتے جاتے ہیں - زرعی پیداواریں اور خاصکر اشیائے خوراک بدیہی طور پر اِس صفت سے محروم ہیں ' نتیجہ یہ کہ به حیثیت مجموعی اُن کی طلب میں بجز اضافۂ آبادی کے کوئی بڑی توسیع کی گنجائش نہیں بلکہ بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے

کہ جیسے جیسے آمدنی بڑھتی اور معیار زندگی بلند ہوتا ہے ' گیہوں اور چاول جیسی اہم اشیاء کا صرف کم ہونے لگتا ہے ' کیونکہ انکی جگہ لوگ زیادہ تعیشانہ غذائیں استعمال کرنے لگتے ہیں (مثلاً ریاستہائے متحدہ میں ہر سال جو گیہوں کا آٹا استعمال ہوتا ہے اسکی مقدار سنہ ۱۸۸۹ع میں فی کس ۲۲۴ پونڈ تھی لیکن سنہ ۱۹۲۹ع میں وہ گھٹ کر ۱۷۵ پونڈ ہوگئی تھی اِسکے علاوہ اجناس کی طلب میں تخفیف واقع ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ جانوروں کی قوت متحرکہ سے کام لینے کا طریقہ روز بروز متروک ہوتا جاتا ہے - پہلے قوت متحرکہ کا انحصار اجناس پر تھا ' اب وہ پٹرول پر ہے - نتیجہ یہ کہ وہی مشینیں جو ایک طرف زمین کی پیداواروں میں اضافہ کر رہی ہیں ' دوسری طرف اِن پیداواروں کے استعمال میں تخفیف کا سبب بن رہی ہیں ' اتنک جو زمینیں جانوروں کیلئے خوراک اُگا یا کرتی تھیں وہ بھی اب انسان کی غذا پیدا کرنے لگی ہیں اور مکا اور گیہوں جیسی اشیاء کی مقدار رسد میں اسوجہ سے بھی بہت کچھہ اضافہ ہوگیا ہے - اِن گوناگوں اسباب کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف زرعی پیداواروں کی رسد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے اور دوسری طرف اُن کی طلب میں کوئی نمایاں توسیع نہیں ہورہی ہے - اِسلئے اگر یہ دنیا کی کساد بازاری واقع نہ ہوتی ' تب بھی زرعی پیداواروں کی قیمتیں گرتیں ' لیکن اِس کساد بازاری کی وجہ سے یہ تخفیف اور زیادہ ہوگئی ہے اور زراعت پیشہ طبقے کی قرضداری اُسکے حق میں اور زیادہ گرانبار ہوگئی ہے -

(۶)

دنیا کی موجودہ کساد بازاری کے جو اسباب ابتک ہم نے بیاں کئے ہیں ' اُنمیں سے کچھہ تو طریق سرمایہ داری کی ماہیت میں مضمر

هیں اور کچھہ اُس عظیم‌الشان خلل اندازی کا نتیجہ ہیں جو گزشتہ جنگ کی بدولت قوموں کے معاشی اور سیاسی تعلقات میں واقع ہوئی ہے - لیکن ایک مدت تک اِن اسباب کا اثر دنیا کے زرعی اور قرضدار ممالک تک محدود رہا اور ان ممالک میں بھی اُنکا اثر ہمیشہ یکساں طور پر شدید نہیں رہا - بلکہ گزشتہ نَدرہ سال کے عرصے میں بعض بعض وقعے ایسے واقع ہوئے جبکہ بجائے کساد بازاری کے کاروبار میں خوب چہل پہل رہی اور جنگ کی بدولت تجارت خارجہ کے جو انتظامات درہم برہم ہوگئے تھے ' وہ بہت بڑی حدتک دوبارہ سدھر گئے اور یہ محسوس ہونے لگا کہ دنیا بہت جلد نہ صرف جنگ کے نقصانات کی تلافی کر لیگی بلکہ معاشی ترقی کے ایسے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوجائیگی جنکا جنگ سے قبل وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا - ریاستہائے متحدہ اور فرانس چونکہ ایک مدت تک کساد بازاری کے اثرات سے محفوظ تھے اِسلئے اِن ممالک اور خاصکر ریاستہائے متحدہ میں یہ رجائیت سب سے زیادہ نمایاں تھی - ریاستہائے متحدہ کی معاشی حالت میں جنگ کی بدولت جو تغیر واقع ہوا ' اُسکا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں ' اب اُسی تغیر کے ایک ذیلی نتیجے کی طرف ہمیں متوجہ ہونا ہے - ہمارا اشارہ سنہ ۱۹۲۸ع اور سنہ ۱۹۲۹ع کی اُس عجیب و غریب گرم بازاری کی طرف ہے جو ریاستہائے متحدہ کے صرافے میں واقع ہوئی اور جسکی وجہ سے یہ کساد بازاری ایک تو عالمگیر بنگئی یعنی جو ممالک اُسوقت تک اسکے اثرات سے محفوظ تھے وہ بھی اسکی زد میں آگئے ' دوسرے خود یہ اثرات اور زیادہ شدید ہوگئے اور اُن کی اصلاح میں اور زیادہ اُلجھنیں پیدا ہوگئیں -

انگریزی زبان کے (Speculation) کے لفظ سے اکثر لوگ واقف ہیں ' اُردو میں اس کا ترجمہ " تخمین " کیا گیا ہے - اب ایک ایسی

سوسائٹی میں جس کی معاشی زندگی کی بنیاد سرمایہ داری کے طریقے پر ہو نفعہ بین کے ذریعے سے ایک بہت ضروری معاشی کام انجام پاتا ہے۔ وہ یہ کہ بسا اوقات عارضی اسباب کے اثر سے یا عام خریداروں اور فروشندوں کے غلط اندازے کی وجہ سے اشیاء کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی بیشی واقع ہونے لگتی ہے - ایسی حالت میں بعض اشخاص ایسے نکلتے ہیں جو اپنی خاص معلومات اور ماہرانہ تجربے کی بناء پر تغیرات قیمت کے عارضی اور دیرپا اسباب میں امتیاز اور بازار کی حالت کا صحیح اندازہ کر لیتے ہیں اور اپنی اس واقفیت سے یوں نفع کماتے ہیں کہ جب بازار میں قیمتیں ناواجبی طور پر گرنے لگتی ہیں تو وہ خریدار بنجاتے ہیں اور جب قیمتیں ناواجبی طور پر چڑھنے لگتی ہیں تو وہ فروشندوں کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ' اور اس طور پر ارزاں خرید کر گراں فروخت کرنے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے ' وہی ان کی محنت کا معاوضہ ہے - اگرچہ یہ لوگ بظاہر کوئی دولت نہیں پیدا کرتے بلکہ محض عوام کی ناواقفیت یا یوں کہئے کہ اپنی خاص واقفیت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تاہم اِسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ ہماری موجودہ سرمایہ دارانہ تنظیم معیشت میں ایک بہت ضروری فرض انجام دیتے ہیں ' کیونکہ بازار میں اُن کے موجود ہونے سے اشیاء کی قیمتوں میں بار بار بڑے بڑے تغیرات نہیں واقع ہونے پاتے اور قیمتوں کی کمی بیشی خاص خاص حدود کے اندر محدود رہتی ہے اور اُن سے متجاوز نہیں ہونے پاتی - معاشی کاروبار کے لئے قیمتوں کی یہ استقامت جسقدر مفید اور ضروری ہے ' اس کی تشریح کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے - لیکن یہی تخمین جو ہمارے نظام معیشت کے لئے اِس قدر ناگزیر ہے ' بعض اوقات اِس طور پر

استعمال کیاسکتی ہے کہ اُس سے بجائے فائدے کے نقصان پہنچنے لگے اور انتظام معیشت بجائے برقرار رہنے کے اور درہم برہم ہوجائے اور یہ صورت بالعموم اُس وقت وقوع ہوتی ہے جبکہ عام لوگ جو بازار کے اصلی حالات سے ٹھیک طور پر واقف نہیں ہوتے، سٹہ میں حصہ لینے لگتے ہیں، یا سٹہ کے کاروبار کرنے والے واقف کار اشخاص بددیانتی سے کام لینے لگتے ہیں - بدقسمتی سے اِس قسم کی نامناسب اور ضرر رساں سٹہ بازی کا ایک حیرتناک واقعہ سنہ ۱۹۲۹ع میں ریاستہائے متحدہ میں واقع ہوا - لیکن اُس کا اثر صرف اُسی ملک تک محدود نہیں رہا بلکہ تمام یورپ اور کم و بیش ساری دنیا میں اب تک اس کے اثرات اپنا کام کر رہے ہیں یہ ہم معلوم کرچکے ہیں کہ جنگ عظیم سے قبل ریاستہائے متحدہ نسبتاً کم دولتمند اور بہ حیثیت مجموعی ایک قرضدار ملک تھا - اس کے برعکس مغربی یورپ کے ممالک نسبتاً زیادہ دولتمند اور بڑے سرمایہ‌دار تھے جنکا سرمایہ دنیا کے گوشے گوشے میں لگا ہوا تھا - جنگ کے بعد حالت بالکل بدل گئی اب ریاستہائے متحدہ کی حیثیت تو ایک بہت بڑے قرضخواہ ملک کی ہوگئی اور یورپ کے تمام ممالک اُس کے قرضدار بنگئے - مزید برآں جس اثناء میں اہل یورپ آپس میں مصروف پیکار تھے، ریاستہائے متحدہ نے اپنی صنعت و حرفت کو خوب ترقی دی اور جہاں جہاں یورپ والوں کا مال فروخت ہوتا تھا، وہاں ریاستہائے متحدہ کے قدم جمنے لگے - جنگ کے بعد بھی یورپ والوں کی حالت تو چار سال کی خونریزی اور جان و مال کی تباہی سے بے حد پست ہوگئی تھی لیکن ریاستہائے متحدۂ باوجود آخری زمانے میں شریک جنگ ہونے کے بہت خوشحال تھیں - ممالک یورپ اپنی شکستہ صنعتوں اور تباہ شدہ زراعت کو درست

کرنے میں طرح طرح کی دقتیں محسوس کر رہے تھے اور خاصکر شکست
خوردہ جرمنی تو کلیتاً ریاستہائے متحدہ کے رحم و کرم پر زندگی بسر
کر رہا تھا - اپنی شکستہ حالت کی اِصلاح اور تاوان جنگ کی ادائی
دونوں کے لئے وہ کثرت کے ساتھہ قرضے لے رہا تھا اور ان قرضوں کا اکثر
و بیشتر حصہ ریاستہائے متحدہ ھی سے آرھا تھا - برطانیہ عظمیٰ
اگرچہ بہ حیثیت مجموعی قرضخواہ تھا لیکن وہ بھی ریاستہائے متحدہ
کا قرضدار تھا - اُس کے اکثر و بیشتر بازار غیر ممالک اور خاصکر
ریاستہائے متحدہ اور جاپان کے قبضے میں چلے گئے تھے اور اِن بازاروں
پر دوبارہ تسلط قائم کرنے میں اُسے گوناگوں مشکلات پیش آرہی تھیں -
فرانس کی مشکلات اگرچہ اس قدر سخت نہ تھیں تاھم وہ بھی
ریاستہائے متحدہ کا قرضدار تھا - مختصر یہ کہ یورپ کے ان بڑے بڑے
ممالک کی تباہ حالی اور ساتھہ ہی اپنی معاشی حالت کی غیر معمولی
ترقی کو دیکھکر اھل امریکہ کو اپنی کامیابی پر گھمنڈ نہیں تو کم از کم
یہ خیال ضرور پیدا ھوگیا تھا کہ اعلیٰ معیارِ زندگی حاصل کرنے کا ایسا
گُر ان کے ھاتھہ لگ گیا ھے جو دوسری قوموں کو نصیب نہیں اور قدرت
اُن کے حال پر کچھہ ایسی مہربان ھے کہ وہ جس کام میں ھاتھہ ڈالتے
ھیں ، انہیں توقعات سے زیادہ کامیابی نصیب ھوتی ھے - غرض رجائیت
کی ایک لہر تھی جو اِس ملک میں دوڑگئی تھی اور اُس کے آثار
معاشی زندگی کے اکثر و بیشتر شعبوں میں نمایاں تھے - انھیں شعبوں
میں سے ایک شعبہ Stock exchange یعنی صرافے کے کار و بار کا
ھے - چنانچہ اس پر بھی گرد و پیش کے حالات کا اثر پڑنا شروع
ھوا - لوگ نہایت اشتیاق کے ساتھہ کمپنیوں کے حصے خریدنے لگے
اور اِن حصوں کی قیمتیں فوراً چڑھنی شروع ھوئیں - محض اس امید

ہر کہ مال خوب فروخت ہوگا کاروبار فروغ پائیں گے اور کارخانے نفع
کمائیں گے ' لوگ اِن گوناگوں قسم کے حصص اور تمسکات کی بڑھ بڑھ کر
قیمتیں دینے لگے اور جسقدر خریداروں کا یہ اشتیاق بڑھا ' اُسی قدر
قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا - جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ بغیر کسی
جد و جہد کے روز بروز زیادہ دولتمند بنتے چلے جا رہے ہیں تو فطرتی
طور پر اُن کے قمار بازی کے رجحان کو اور تحریک ہوئی اور اہل اُمریکہ
نے عقل کو بالائے طاق رکھہ ' آنکھیں بند کر کے ایسا جوا کھیلنا شروع کیا
جس کی تاریخ عالم میں کہیں نظیر نہیں ملتی - دس بیس فیصدی
شرح سود پر قرض لے لیکر لوگ ایسے کارخانوں کے حصے خریدنے لگے جن کا
ابھی کوئی وجود بھی نہ تھا ' اور یہ محض اس امید پر کہ یہ کارخانے
جب قائم ہوجائیں گے تو اُن کا مال خوب بکیگا اور اُنہیں خوب منافع
حاصل ہوگا - امریکہ میں بنک کاری کا نہایت عمدہ انتظام قائم تھا
تاکہ کاروباری اغراض کے لئے قرضے کے لین دین میں سہولت ہو - لیکن
یہی سہولت اِس زمانے میں جبکہ ملک بھر میں تخمین اور قمار بازی
کی وبا پھیلی ہوئی تھی ملک کے حق میں بہت خطرناک ثابت
ہوئی - ہر شخص کا حقیقی پس انداز تو جو تھا وہی قائم رہا لیکن
اُس کے قابل فروخت تمسکات کی قیمتیں روز بروز بلکہ لمحہ بہ لمحہ
بڑھ رہی تھیں اور ان بڑھتی ہوئی مالیت کے تمسکات کی ضمانت پر وہ
اپنے بنک سے مزید قرض لیتا اور اِس رقم سے مزید تمسکات خریدتا تھا -
لوگوں کو یوں راتوں رات دولتمند بنتا دیکھکر بہت سے اشخاص جو یورپ
کے حاجتمند ممالک کو قرضے دے رہے تھے ' اب اپنی رقمیں خود ملک
کے اندر تمسکات کی خرید و فروخت میں لگانے لگے اور سابقہ قرضے واپس
طلب کرنے لگے - یہی نہیں بلکہ خود ممالک یورپ کے دولتمند اشخاص

تھی ایک حد تک اس ودا سے اثر پذیر ہوئے اور انھوں نے بھی دولتمند بننے کی اس سہل ترکیب سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنی رقمیں بجائے اپنے ملک کی شکستہ حالت کی اصلاح میں لگانے کے کثرت سے امریکہ روانہ کیں اور اس طور پر یہ جنوں پھیلتے پھیلتے تمام بڑے بڑے سرمایہ دار ممالک پر حاوی ہوگیا اور ایک اچھا خاصہ مذاق طرزی سرمایہ داری کے مخالفین کے ہاتھ آگیا -

بحر اٹلانٹک کے ایک جانب تو تخمین کی یہ گرم بازاری تھی اور لوگ یوں لمحہ بہ لمحہ دولتمند بنتے چلے جارہے تھے لیکن اُسی کی دوسری جانب یورپ اور خاص کر جرمنی میں حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی - جنگ اور شکست کے مصائب کو رفع کرنے اور اپنی سابقہ معاشی حالت پر لوٹنے میں جرمنی نے جو ہمت اور مستعدی دکھائی وہ بلا شبہہ ہماری تعریف کی مستحق ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ ساری جد و جہد قرض لی ہوئی رقموں پر منحصر تھی حتیٰ کہ فاتح متحدین اپنے شکست خوردہ دشمن سے اب تک جسقدر تاوان جنگ وصول کرسکے وہ بجز آخری دو ایک قسطوں کے سب کا سب انھی نام نہاد فاتحین سے قرض لے لے کر ادا ہوا ہے ' گویا یوں سمجھئے کہ اِدھر فاتحین نے اپنی رقمیں ایک جیب سے دوسری جیب میں منتقل کردیں اور اُدھر جرمنی کا تاوان جنگ ادا ہوگیا - اِس کے علاوہ جرمنی نے اپنی صنعت و حرفت کو درست کرنے اور اُن میں دوبارہ جان ڈالنے کے لئے جو کثیر رقمیں قرض لیں ' وہ علیحدہ ہیں - مختصر یہ کہ جنگ کے بعد دس سال کے اندر اندر وسط یورپ میں جو دوبارہ معاشی ہاچل پیدا ہوگئی تھی وہ سراسر قرض لی ہوئی رقموں کے بل بوتے پر قائم اور اُنھی پر جاری تھی ' اور اِن رقموں کا اکثر و بیشتر حصہ

صرف ریاستہائے متحدہ سے حاصل کیا ہوا تھا - اب جو امریکہ میں تخمین کی وبا پھیلی تو قرضوں کا یہ سلسلہ بند ہو گیا - پچھلے قرضے نہایت شدت کے ساتھ واپس طلب کئے جانے لگے اور خود یورپ والوں کا سرمایہ بھی امریکہ ہی کی طرف جانے لگا - جنگ کی بدولت زر کے معاملات اور بنک کاری کے انتظامات میں جو سخت بدنظمی پیدا ہوگئی تھی ' وہ کئی سال کی پریشانی اور بڑی دقتوں کے بعد اب رفع ہوئی تھی اور معمولی حالات رفتہ رفتہ دوبارہ عود کر رہے تھے - لیکن یورپ کے مرکزی بنکوں سے یکایک کثیر رقمیں باہر نکلنے لگیں تو صورت حال پھر خطرناک ہوگئی - اپنے اپنے ذخیروں کو بچانے کے لئے اِن بنکوں نے سود کی شرحوں میں اضافہ کرنا شروع کیا ' تاکہ لوگ اپنی رقمیں واپس نہ طلب کریں بلکہ اعلیٰ شرح سود کے لالچ میں اُنھیں کے ہاں رکھہ چھوڑیں - اِس ترکیب سے اصل مقصد تو حاصل نہیں ہوا ' کیونکہ رقمیں برابر نکلتی ہی رہیں ' لیکن پیدایش دولت کے کاروبار میں سخت رکاوٹ پیش آنے لگی - سود کی شرح بڑھنے سے مصارف پیدایش بڑھنے لگے اور کارخانوں کے لئے نفع کمانے کا امکان روز بروز کم ہونے لگا - جو کاروبار مشکل سے چل رہے تھے وہ بند ہونے شروع ہوئے ; اور جو نسبتاً اچھی حالت میں تھے اُن کی حالت خراب ہونے لگی اور اس طور پر یورپ میں کساد بازاری کا دور شروع ہوا - لیکن امریکہ میں جب تک لوگ مجنونانہ طور پر حصص کی خرید و فروخت میں مشغول رہے ' انھیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ کیونکر دوسرے ممالک کی بھلائی اور برائی کے ساتھہ خود اُن کی بھلائی اور برائی وابستہ ہے ' بلکہ وہ اس دلخوش کُن خیال میں مست رہے کہ دوسرے ممالک کی تباہی کا اُن پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا " جب تک مناسب معلوم ہوا ہم نے یورپ والوں کو قرض دیا - اب

جو خود اپنے ھی ملک میں نفع کمانے کا ایسا زریں موقع پیدا ہوگیا ھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا سرمایہ اُسی طرح باہر روانہ کرتے رھیں یا اپنے قرضداروں سے سچھلے قرضے واپس نہ طلب کریں - اگر یورپ والے تباہ ھیں تو وہ اپنے کرتوت کا خمیازہ بھگت رہے ھیں ' اور اگر ہم خوشحال ھیں تو یہ ہماری عقلمندی یا شاید خدا کی غیر معمولی عنایت کا نتیجہ ھے '' یہ ھے خلاصہ اُس طرز کا جو سنہ ۱۹۲۹ع تک اھل امریکہ نے دوسرے تمام ممالک اور خاص کر اھل یورپ کے ساتھہ اختیار کر رکھا تھا - اخلاقی نقطۂ نظر سے اُس کی پسندیدگی یا غیر پسندیدگی سے ھمیں کوئی سروکار نہیں لیکن واقعیت کے نقطۂ نظر سے ہم یہ ضرور کہہ سکتے ھیں کہ یہ طرز عمل اصل صورت حال کے سراسر منافی تھا - کیونکہ اُس کی بدولت نہ صرف یورپ اور دنیا کے دوسرے ممالک کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا بلکہ خود اھل امریکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے - ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ع کو تمسکات کی خرید و فروخت کی گرم بازاری کا خاتمہ ہوگیا - جو لوگ راتوں رات دولتمند بن بیٹھے تھے وہ اب آن واحد میں دیوالیے ہوگئے - جن کاغذ کے پرزوں پر لوگ اپنی دولتمندی کی عمارت تعمیر کر رہے تھے ' وہ اب کوڑیوں کے مول بکنے لگے - جن بنکوں نے انھیں پرزوں کی ضمانت پر اپنے گاھکوں کو اس احمقانہ تخمین میں قسمت آزمائی کرنے کے لئے قرضے دئے تھے ' وہ اب کاروبار بند کرنے پر مجبور ہوگئے - کسی کو دوسرے کا اعتبار نہیں رہا - جو کارخانے زیر تعمیر تھے ' وہ ادھورے رہ گئے اور جو مکمل ہوگئے تھے وہ اب سرمایہ نہ ملنے کی وجہ سے جاری نہ رہ سکتے تھے - بیکاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور اِس اضافہ کے ساتھہ ساتھہ کساد بازاری کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہونے لگا - حتّیٰ کہ اب دنیا کا شاید ھی کوئی خطہ ایسا

موجودہ هو جو دنیا کی اِس کساد بازاری کے مایوس کن اثرات سے پورے طور پر محسوس سمجھا جاسکے - برٹش ایسوسی ایشن کے ایک حالیہ اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران میں سر آلفرڈ اِیونگ نے بڑی سچی بات کہی ہے - وہ فرماتے هیں —

"The command of nature has been put into man's hand before he knows how to command himself"

دنیا کی موجودہ معاشی مشکلات کی شاید هی اِس سے بہتر کوئی توجیہ هوسکے -

هندستانی اکیڈیمی (صوبۂ متحدہ) الہ آباد

کے مطبوعات

۱—از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات —
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ایم — اے ' — ایل ایل -
ایم - سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ غیر مجلد
۱ روپیہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
۴ روپیہ -

۴—ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -
ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۵—فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب '
رواں — ۲ روپیہ —

۶—کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہو اُپادھیا
پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند -

۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی -

۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب '
ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت ۳ روپیہ -

۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ' بی - اے ' ایل ایل - بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم - اے ' پی ایچ - ڈی -
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین ' نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ' ایم - اے -

۱۴—جواہر سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی -
قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

سول ایجنٹ کتابستان ' الہ آباد

باہتمام شیخ غلام اصغر ' سٹی پریس ' الہ آباد -

ناشر - ڈاکٹر تارا چند ' ہندستانی اکیڈیمی - الہ آباد